مارتونگ باباؒ کی کہانی

خود ان کی زبانی

مولانا خان بہادرؒ المعروف مارتونگ بابا کے حالاتِ زندگی

مؤلف

فضل محمود روخان

مختصر شجرۂ نسب مار تونگ باباجیؒ (سوات)

گلاب خان

- سید میر داد خان (مشہور بہ) اکے خان
  - مولانا خان بہادرؒ (مرحوم) بہ مشہور مار تونگ باباجی
    - مولانا رشید احمد (مرحوم)
      - قطب الدین
      - صلاح الدین
      - معین الدین
      - بہاوالدین
    - برکات احمد
      - جلال الدین
      - فخر الدین
      - فرید الدین
      - علاوالدین
      - ظہیر الدین
- مولانا شیر بہادر خان (مرحوم) چچا مار تونگ باباجی
  - مولانا امان اللہ خان
    - رکن الدین
    - اشیر الدین

☆☆☆

مار تونگ باباؒ کی کہانی، خود ان کی زبانی

مولانا خان بہادرؒ مرحوم المعروف مار تونگ بابا
کے حالاتِ زندگی

مؤلف:
فضل محمود روخان

ملنے کے پتے:
روخان شو پیلس
23 ملک سیل مارکیٹ چینہ، نشاط چوک منگورہ، سوات
فون: 0946-722781

کتاب	......	مارتونگ باباؒ کی کہانی، خود ان کی زبانی
مؤلف	......	فضل محمود روخان
انتظام طباعت	......	فضل ربی راہی
اشاعتِ اول	......	نومبر 1999ء
دوسری اشاعت	......	جنوری 2007ء
تعداد	......	ایک ہزار
مطبع	......	حاجی حنیف پرنٹرز لاہور
قیمت	......	-/20 روپے

☆☆☆

ملنے کا پتہ:

شعیب سنز پبلشرز اینڈ بک سیلرز

جی ٹی روڈ منگورہ، سوات فون: 0946-722517

انتساب

اس دور کے عالمِ باعمل

مولانا جناب رحیم اللہ صاحب کے نام

جو علم و عرفان کے ایک روشن ستارے ہیں

☆☆☆

فضل محمود روخانؔ

مار تونگ باباؒ

(مولانا خان بہادرؒ)

یہ کافی دنوں کی بات ہے جب میں بچپن میں نماز پڑھنے اپنے محلے کی مسجد (ڈبو جماعت) میں جایا کرتا تھا۔ وہاں میری نظر ایک سفید ریش بزرگ شخص پر جم جاتی تھی۔ جن کے چہرے سے نورانیت ٹپکتی تھی۔ ان کا چہرہ سراپا نور تھا۔ ان کا لباس ہمیشہ سفید ہوتا۔ جس میں سفید چادر، پگڑی اور سفید ٹوپی شامل ہوتی تھی۔ دراز قد تھا لیکن جسم فربہ نہ تھا۔ اُن کی آنکھوں میں عجیب قسم کی کشش تھی۔ اکثر خاموش رہا کرتے تھے۔ اُن کی خاموشی میں ایک قسم کا وقار اور متانت تھی۔ نماز پڑھنے مسجد میں آتے جاتے میری نظریں ہمیشہ ان پر مرکوز رہتی۔ لیکن کم عمری کے باعث میں خود میں ان سے بات کرنے کا حوصلہ نہ پاتا تھا۔

وہ ہمیشہ صبح پڑھانے دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف جایا کرتے تھے۔ عصر کے وقت اپنے شاگردوں کو ڈبو جماعت میں درس دیا کرتے تھے۔ درس سنتے وقت اُن کے شاگردوں کے چہرے بھی نورانی ہو جایا کرتے تھے اور یوں محسوس ہوتا جیسے ان سب پر انوار کی بارش ہو رہی ہے۔ مجھے اُن سے بے پناہ عقیدت تھی۔ ایک ایسی عقیدت جسے میں الفاظ میں ظاہر کرنے سے قاصر تھا۔ شاید وہ میری دلی کیفیت بھانپ گئے تھے۔ انہوں نے بھی مجھ سے کبھی بولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

ایک دفعہ ہمارے گھر میں مارتونگ بابا کی بات چل نکلی۔ میرے والدِ

محترم بتانے لگے کہ باباؒ ایک دن بیمار تھے کہ میں عیادت کے لئے ان کے حجرے میں گیا۔ بیماری کی حالت میں وہ کہہ رہے تھے کہ "بادشاہ صاحب (حکمران سوات) کی ملازمت میں آنے سے پہلے میں روحانی منزلیں طے کر رہا تھا لیکن اب ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں رُک گیا ہوں۔" اپنے والد صاحب کی زبانی یہ بات سن کر میری عقیدت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

جب میں سنِ شعور کو پہنچا تو میری نماز پڑھنے کی رفتار سُست پڑنے لگی اور میرا آنا جانا مسجد میں کم ہونے لگا بعد ازاں کام کے سلسلہ میں، میں بنوں، مردان اور پشاور میں مختلف اوقات میں تعینات رہا۔ جولائی ۱۹۶۸ء میں، میں پھر سوات آگیا۔ باباؒ سے روحانی عقیدت کا سلسلہ پھر جڑ گیا لیکن قریب ہوتے ہوئے بھی فاصلہ قائم رہا۔ ایک عجیب سا تعلق تھا۔ والہانہ عقیدت لیکن پھر بھی میرے ہونٹوں پر گویا تالے پڑے رہتے تھے۔

یہ غالباً ستمبر ۱۹۶۹ء کی بات ہے کہ میرے آفیسرز لاہور سے ریاض احمد صاحب، حافظ صاحب اور راولپنڈی سے نثار احمد صاحب نئے شوروم کھولنے کے لئے منگورہ آئے ہوئے تھے۔ مقامی باشندہ ہونے کے ناطے انہوں نے مجھ سے اور میرے دوسرے ساتھی خلیل الرحمان سے مشورہ طلب کیا کہ افتتاح کے لئے یہاں کون موزوں رہے گا۔ میرا ساتھی افسر شاہی میں سے کچھ افراد کے نام لے رہا تھا اور میں نے اپنی طرف سے مارتونگ باباؒ کا نام تجویز کیا۔ میری بات آخر مانی گئی اور اس طرح ان سے رابطہ کر کے افتتاح کے لئے بلانا، وقت اور تاریخ کا تعین کرنا میرے ذمہ لگایا گیا۔ میں موقع نکال کر باباؒ سے ملنے ڈبو جماعت گیا۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ معانقہ اور مصافحہ کے بعد مجھے بیٹھنے کے لئے کہا۔ محفل میں

اور لوگ بھی پہلے سے موجود تھے۔ میں کچھ دیر خاموش رہا۔ باباؒ نے مجھ سے آنے کا مقصد پوچھا تو میں نے اپنی آنے کا مدعا بیان کیا۔ کہنے لگے کہ کل صبح دس بجے دارالعلوم میں مجھے لینے کے لئے آجانا۔ اس وقت میرا پریڈ نہیں ہوتا ہے۔ دوسرے دن میں مقررہ وقت پر انہیں لینے گیا تو وہ میرے ساتھ چلے آئے۔ اس پُر وقار افتتاحی تقریب میں وہ ہمارے مہمان خصوصی تھے۔ تقریب ختم ہونے کے بعد میں ان کو دارالعلوم پہنچانے ان کے ساتھ گیا۔ تقریب کے لئے ہم نے فوٹو گرافر کو مدعو کیا تھا لیکن انہوں نے فوٹو گرافر کو منع کر دیا کہ ان کی تصویر نہ لی جائے۔ لیکن فوٹو گرافر نے چپکے سے ان کی تصاویر لی۔ اگلے روز تصاویر تیار ہوئیں لیکن وہ ہمارے کام کی نہ تھیں چناں چہ وہ تصاویر اخبارات میں اشاعت کے لئے نہیں بھجوائی جا سکیں۔ تاہم سابق حکمران سوات بادشاہ صاحب نے ان کی زندگی کے کچھ لمحوں کی متحرک عکس بندی کی تھی اور بعد میں بادشاہ صاحب نے اس عکس بندی کو مارتونگ باباجیؒ کو دکھانے کا اہتمام کیا۔ جب بابا نے یہ سب کچھ سکرین پر دیکھا تو انہوں نے بے ساختگی سے بادشاہ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے، تم نے تو میرے اس یقین کو مزید پختہ کر دیا کہ قیامت کے دن انسان کے مختلف اعضاء انسان پر خود گواہی دیں گے اور اس نے جو کچھ دنیا میں کیا ہے، وہ سب کچھ اسے جیتی جاگتی شکل میں دکھایا جائے گا اور یہ عکس بندی اس کی ایک معمولی سی مثال ہے۔

کچھ دنوں کے بعد میرا تبادلہ بنوں دوبارہ ہو گیا۔ ایک دن چھٹی لے کر گھر آیا تو ڈبو جمات کی پرانی عمارت منہدم ہو رہی تھی۔ پرانی مسجد میں شہتوت کا ایک بہت پرانا درخت تھا۔ لوگ اس کے سبز پتے اور ٹہنیاں اپنے اپنی گھروں میں

جانوروں کے چارے کے لئے لے جا رہے تھے اور مارتونگ باباؒ میرے والد سے کہہ رہے تھے کہ یہ لوگ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ مسجد کی کوئی چیز مسجد کے علاوہ دوسری جگہ استعمال کرنا شرعاً منع ہے۔ لیکن یہ نادان ہیں۔ کاش یہ لوگ ایسا نہ کرتے یہ باباؒ کا روحانی فیض تھا کہ ڈبو جمات ایک عالی شان جامع مسجد میں بدل گئی۔ پرانی مسجد بھی ایک تاریخی حیثیت کی حامل تھی۔ پرانے وقتوں میں میاں خواجہ بہاؤالدین باباؒ نے اپنی عبادت و ریاضت کے لئے ایک ڈبہ تعمیر کر دیا تھا۔ جس نے بعد میں مسجد کی شکل اختیار کر لی۔ شاید نئی عمارت کے لئے باباؒ آرزو نہ کرتے لیکن ہوا ایسا کہ پڑوس میں ایک تاجر نے مکان بنایا اور مکان کی دیواریں مسجد سے اونچی چلی گئیں۔ باباؒ سے رہا نہ گیا اور انہوں نے فرمایا کہ اب اس مسجد کی از سر نو تعمیر ہونی چاہئے اور واقعی مسجد اس قدر شاندار انداز میں تعمیر ہوئی کہ کسی کے گمان میں بھی نہ تھا۔ جب بات چل نکلی ہے تو یہ بات بھی کہتا چلوں کہ ایک دفعہ پرانی مسجد میں باباؒ حسب معمول اپنے شاگردوں کو درس دے رہے تھے۔ ایک معمر شخص جو قرآن کی تلاوت کر رہا تھا، باباؒ پر غصہ ہوا اور لڑنے جھگڑنے لگا کہ تمہارے اور تمہارے شاگردوں کی وجہ سے میری تلاوت میں خلل پڑ رہا ہے۔ اس شخص کا رویہ نہایت نازیبا اور جارحانہ تھا۔ بابا نے بے اختیاری میں اس کو بد دعا دی کہ پاگل کتے کی طرح لوگوں کو کاٹ رہے ہو۔ اللہ پھر کبھی تمہیں یہاں آنے کی توفیق نہ دے۔ جب وہ آدمی مسجد سے باہر نکلا تو گھر پہنچتے ہی اس کی حالت غیر ہو گئی۔ اسے بیماری نے آن گھیرا اور وہ کئی مہینے تک چارپائی پر پڑا رہا اور عبرت ناک موت مرا لیکن مرنے کے بعد باباؒ نے اس کی نماز جنازہ خود پڑھائی۔

ایک دفعہ انہوں نے اپنے ایک رشتہ دار کو ایک سیاسی پارٹی کی

سرگرمیوں میں حصہ لینے سے منع کیا لیکن وہ صاف مکر گیا اور کہنے لگا کہ میرا اس پارٹی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر ہو تو اللہ مجھے اپنے بچوں سے اٹھالے۔ کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ چند ماہ بعد اس کی پارٹی کا لیڈر منگورہ آیا اور باباؒ کا رشتہ دار بھی مارتونگ سے جیپ میں جلسہ میں شرکت کرنے آرہا تھا کہ یخ تنگی کے مقام پر لوگ جیپ میں سے مع ڈرائیور اتر گئے لیکن وہ اکیلا اس میں بیٹھا رہا۔ اچانک کھڑی ہوئی جیپ سٹارٹ ہوئی اور وہ گاڑی سمیت گہرے کھڈ میں جا گرا باباؒ کا رشتہ دار اس میں مر گیا اور باباؒ کو اُس کی نماز جنازہ کے لئے مارتونگ جانا پڑا۔

مارتونگ بابا کبھی کبھار اپنے بیٹے مولانا رشید احمد صاحب کے ساتھ تصوف پر باتیں کیا کرتے تھے۔ اور اپنی روحانی کیفیات و واقعات بیان کرتے تھے۔ کابل گرام میں ایک بہت بڑے ولی اور مردِ مجاہد اخوند سالاک جو بہاکو خان کے جنگجو سالار تھے، گزرے ہیں۔ وہ وہاں کے عوام اور قرب وجوار کے علاقوں میں اخوند بابا کے نام سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ چوں کہ ان کی ساری زندگی کفار سے جہاد میں گزری تھی، اس لئے ایک دفعہ مارتونگ بابا کے دل میں یہ خیال آیا کہ مجھے اخوند بابا کے مزار جا کر دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسے ہیں۔ اس لئے مارتونگ بابا کابل گرام میں ان کے مزار پر گئے اور وہاں انہوں نے مراقبہ کیا۔ مراقبے میں کیا دیکھتے ہیں کہ اخوند بابا ہاتھ میں تلوار لئے جنگ وجدال کے لئے ایسے انداز میں کھڑے ہیں کہ ان کا ایک پاؤں قبر سے باہر نکلا ہوا ہے اور ان کی آنکھوں سے شعلے برس رہے ہیں گویا وہ اب بھی میدانِ کارزار میں برسرپیکار ہیں۔

ایک بہت بڑے عالم جو دینی اور علمی حلقوں میں ایک معتبر نام ہے، کا کہنا تھا کہ میں دیوبند میں زیرِ تعلیم تھا۔ اس وقت سوات سے مارتونگ باباؒ کی علمی

شہرت دیوبند بھی پہنچی ہوئی تھی اور ہر ایک کی زبان پر ان کی غیر معمولی علمی قابلیت کے چرچے تھے۔ ان کا نام سن سن کر میں نے دل میں تہیہ کر لیا کہ انشاء اللہ دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر سوات میں مارتونگ باباؒ سے علمی شہرت میں زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کروں گا۔ وہ کہتے ہیں کہ آخر کار وہ وقت بھی آیا کہ میں دیوبند (ہندوستان) سے علمی سند لے کر سوات واپس لوٹا۔ ایک رات مجھے خواب میں پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کا دیدار نصیب ہوا۔ آپؐ فرما رہے تھے کہ تم خان بہادر (مارتونگ بابا) سے علمی مقابلہ کرنے کی سوچ رہے ہو۔ خان بہادر کو ہم نے اپنے ہاتھ سے علمی سند عطا کی ہے۔ صبح وہ عالم دین جلدی جلدی مارتونگ باباؒ کے حضور میں پہنچے اور اپنے خواب کا سارا واقعہ ان کو سنایا اور ان سے معافی مانگی کہ مجھے معاف کر دیں۔ میں نے علمی حسد کی وجہ سے آپ سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اب میں آئندہ کے لئے کبھی بھی اس طرح نہیں سوچوں گا۔ یہ سن کر مارتونگ باباجیؒ کے ہونٹوں پر ایک خوبصورت مسکراہٹ بن گئی اور اعتراف کرنے والے کو گلے سے لگا لیا۔

مولانا رشید احمد صاحب تین سال قبل اللہ کو پیارے ہوئے وہ اپنے والد ماجد مارتونگ باباؒ کی قبر کے پہلو میں لبدی نیند سو رہے ہیں۔ مولانا رشید احمد کے بڑے بیٹے قطب الدین صاحب کا کہنا ہے کہ جس جگہ مارتونگ بابا کی میت کو غسل دیا گیا تھا، مسلسل کئی راتوں تک اس جگہ سے ایک عجیب قسم کی روشنی پھیلی ہوئی نظر آتی تھی۔

راقم کو ایک دفعہ باتوں باتوں میں مولانا رحیم اللہ صاحب (جو عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ مارتونگ باباؒ کے روحانی خلیفہ بھی ہیں) نے بتایا تھا کہ یہ ان

دنوں کی بات ہے جب میں طالب علم تھا۔ بیعت لینے کے لئے میں یہ فیصلہ نہیں کرپا رہا تھا کہ مجھے مولوی غور غشتو صاحب سے بیعت لینی چاہئے یا مار تونگ باباؒ سے ۔ یہ دونوں میرے استاد تھے اور دونوں مجھے یکساں عزیز تھے۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ اور مار تونگ باباؒ آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ اسی اثناء میں میرا ایک دوسرا ساتھی طالب علم رسول ؐ سے ملنے کے لئے آگے بڑھا اور ان سے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ حضرت محمد ﷺ نے انہیں جھڑکا اور بغیر مصافحہ کے رخصت کیا۔ یہ دیکھ کر مجھے اپنی فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر میں مصافحہ کے لئے آگے بڑھوں تو میرے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ آخر دل کڑا کر کے بڑھا اور حضرت ؐ سے مصافحہ کیا۔ جب میں ان سے رخصت لینے لگا تو انہوں نے دوبارہ میرے ساتھ مصافحہ کیا۔ صبح جب میں نیند سے بیدار ہوا تو مار تونگ باباؒ کو سارا خواب سنایا اور ان کے ہاتھ پہ سلسلہ قادریہ میں بیعت کی۔

مولانا رحیم اللہ صاحب جو ایک باعمل عالم ہیں۔ نہایت کم گو انسان اور تصوف کے میدان کے ایک خاموش مجاہد ہیں۔ وہ تصوف میں کسی قسم کی شہرت نہیں چاہتے اور شعوری طور پر خود کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور یہ جو میں لکھ رہا ہوں یہ میری ان کے ساتھ انتہائی عقیدت ہے۔ چونکہ میں (راقم) ان کا شاگرد ہوں، اس لئے قدرتی طور پر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ مار تونگ باباؒ کی سوانح حیات کے ساتھ اپنے استاد محترم کی زندگی کے بارے میں بھی کچھ لکھوں لیکن وہ مجھے اپنی زندگی کے بارے میں کچھ بتانے سے گریزاں ہیں۔ اس وقت یہ منشائے خداوندی ہے کہ وہ مجھ سے اتفاق نہیں کر رہے ہیں۔ وہ مجھے میری خواہش کا جواب ہاں میں بھی نہیں دے رہے ہیں اور نا میں بھی

نہیں۔ شاید وہ میرے حساس دل کو ٹھیس پہنچانا نہیں چاہتے۔

ایک دن جب میں بنوں سے چھٹی پر آیا تو پتہ چلا کہ مار تونگ باباؒ ڈیو جمات کو چھوڑ کر مظہر العلوم چلے گئے ہیں۔ میں ان سے ملنے وہاں گیا۔ وہ محراب کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھا تو معانقہ کے لئے کھڑے ہوئے اور پھر اپنے ساتھ مجھے بھی بیٹھا لیا اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے۔ میرے لئے ماحول اجنبی تھا۔ تاہم میں وہاں کافی دیر بیٹھا رہا۔ ملنے کے بعد میں واپس ڈیوٹی پر چلا گیا۔ ایک دن باباؒ کو خواب میں دیکھا وہ مجھے حوصلہ دے رہے تھے کہ کوئی فکر نہ کر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ انہوں نے شہادت کی انگلی سے اپنے لعاب میرے منہ میں ڈال دیا۔ صبح نیند سے بیدار ہوا تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ مجھ پر کیا مصیبت آنی والی ہے کہ بابا مجھے ہمت اور حوصلہ دے رہے ہیں۔ چند مہینے گزر گئے تو آخر کار وہ حالات جو مجھ سے پوشیدہ تھے، آشکارا ہوئے۔ مسائل نے سر اٹھانا شروع کیا تو مجھے باباؒ کا خواب سمجھ میں آگیا۔ دو مہینے میں حالات سے نبرد آزما رہا۔ میرے لئے کوئی پریشانی والی بات نہ تھی کہ بابا مجھے حوصلہ دے گئے تھے۔ پھر حالات نے پلٹا کھایا اور سب کام معمول پر آگئے۔ ایک دن مجھے راولپنڈی سے نثار احمد صاحب کا فون آیا کہ ہم تمہاری تبدیلی پشاور کرنا چاہتے ہیں۔ بولو جانے کے لئے راضی ہو میں نے سوات کی بات کی تو جواب ملا کہ تم نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ جلدی جواب ہاں یا نہ میں دو تاکہ ہم کسی اور کا بندوبست کر سکیں۔ میں معاملے کی نزاکت کو سمجھ گیا اور ہاں کہہ دیا۔ بعد میں لاہور ہیڈ آفس سے ریاض احمد صاحب کا فون آیا تو میں نے پھر ہاں میں جواب دیا اور اس طرح باباؒ کی خواب میں کہی ہوئی بات حرف بہ حرف صحیح نکل آئی۔ اکتوبر

۱۹۷۴ء میں پھر میری تبدیلی سوات ہوئی۔ پتہ چلا کہ باباؒ اپنی بیٹوں کے ساتھ مارتونگ چلے گئے ہیں۔ مسلسل درس و تدریس اور مجاہدہ اختیاری و اضطراری نے آخری عمر میں ان کا یہ حال کر دیا تھا کہ وہ نوے یا سو سال کے نظر آتے تھے حالانکہ وہ اتنے عمر رسیدہ نہ تھے۔ ہمارے محلے سے بعض لوگ ان سے ملنے کے لئے مارتونگ جایا کرتے تھے۔ وہ چلنے پھرنے سے تقریباً معذور ہو چکے تھے۔ لیکن مجھے باوجود اتنی عقیدت کے کبھی ان سے ملنے کے لئے مارتونگ جانے کا خیال نہ آیا۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ مارتونگ باباؒ رحلت کر گئے ہیں اور میں نماز جنازہ میں شامل ہوں۔ اس خواب کے ٹھیک چھ مہینے بعد ۲۲ جولائی کو ان کی وفات کی خبر منگورہ سوات میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور دوسرے دن ۲۳ جولائی ۱۹۷۶ء کو میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مارتونگ روانہ ہوا۔ بس میں سارے ان کے شاگرد بیٹھے ہوئے تھے جس میں مولانا رحیم اللہ صاحب اور مولانا زرداد صاحب، مولانا زین العابدین صاحب تو آج تک یاد ہیں۔ جب ہماری بس راستے میں آسمانی موڑ (شانگلہ) پہنچی تو برساتی نالے نے پختہ پل کو بہا دیا تھا اور ہمارے لئے آگے جانا ناممکن تھا۔ بہت دیر تک ہم وہاں کھڑے رہے کہ شاید آگے جانے کی کوئی سبیل نکل آئے۔ اسی اثنا میں منگورہ سے حاجی عبدالودود سیٹھ کی جیپ آپہنچی۔ جس میں مولانا رحیم اللہ صاحب اور مولانا زرداد صاحب بیٹھ کر چلے گئے اور ہم نے واپس منگورہ کی راہ لی۔ اس کے بعد میری روحانی عقیدت خود بخود مولانا رحیم اللہ صاحب کو منتقل ہوئی۔ اس لئے کہ میں نے کسی سے سُن لیا تھا کہ مولانا رحیم اللہ صاحب مارتونگ باباؒ کے خلیفہ ہیں۔

جب کبھی وہ مجھ سے راستے میں مل جاتے تو تھوڑی دیر کے لئے ہم

علیک سلیک اور خیر خیریت کے لئے رک جاتے۔ برس ہا برس گزر گئے لیکن مجھے ان کی محفل میں بیٹھنے کا اتفاق کبھی نہیں ہوا تھا۔ البتہ نومبر ۱۹۸۲ء میں، میں نے ایک تقریب میں مولانا رحیم اللہ صاحب کو مہمان خصوصی کی حیثیت میں مدعو کیا تھا۔ کیونکہ مارتونگ باباؒ حیات نہیں تھے۔ ایک دن ستمبر ۱۹۹۸ء میں میرے شفیق دوست گل رحمان کے منہ سے نکل گیا کہ میں سلسلہء قادریہ میں مولانا رحیم اللہ صاحب کا ۱۹۸۱ء سے شاگرد ہوں۔ اور یہ کہ انہوں نے خود مولانا مارتونگ باباؒ سے زمانہ طالب علمی میں بیعت لی تھی۔ جب میں نے یہ سنا تو میں نے خواہش ظاہر کی کہ اب تو میں بھی ان سے بیعت لوں گا۔ حالانکہ زندگی میں، میں نے اس بارے میں کبھی سوچا تک نہ تھا کہ میں بھی کسی کا مرید بنوں گا اور میرا بھی کوئی مرشد ہوگا کیونکہ میں لاابالی طبیعت کا مالک ہوں۔ آخر ۳۰ ستمبر ۱۹۹۸ء کو بار بار اصرار پر مولانا رحیم اللہ صاحب نے مجھے اپنے دامن شفقت میں پناہ دی اور مجھے بیعت سے نوازا۔ چار ماہ میں، میں نے اپنے اسباق پورے کئے اور اب بفضل خداوند تعالیٰ میری زندگی میں کافی مثبت تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ بیعت لینے کے بعد مجھ پر یہ بھید کھلا کہ یہ تو اصل میں مارتونگ باباجیؒ کی وہ روحانی توجہ تھی جو انہوں نے میرے بچپن میں مجھ پر مرکوز کر رکھی تھی۔ جس نے آخر کار ان کی وفات کے ۲۲ سال بعد اپنا اثر دکھایا اور مجھے اپنے روحانی دائرے میں کھینچ کر جذب کر لیا۔

ایک دن میں نے اپنے ایک دوست کے ساتھ مارتونگ جانے کا قصد کیا کہ مارتونگ باباجیؒ کی قبر پر بہ غرض دُعا کے لئے جانا چاہئے۔ اس سے پہلے میں مارتونگ نہیں گیا تھا۔ پروگرام کے مطابق ہم مارتونگ چلے گئے۔ وہاں مارتونگ باباؒ

کے رشتہ داروں یعنی ان کے چچازاد بھائی مولانا امان اللہ خان صاحب باباؒ کے فرزند برکات احمد صاحب اور ان کے پوتوں قطب الدین اور صلاح الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ دوسری دفعہ جب قطب الدین صاحب منگورہ تشریف لائے تو میرے کہنے پر وہ ماہنامہ "الحق" کے وہ شمارے بھی ساتھ لائے جس میں مارتونگ بابا کی کہانی ان کی زبانی ۱۹۷۲ء شائع ہوئی تھی۔ جس سے میں بے خبر تھا۔ چونکہ ماہنامہ "الحق" کے یہ شمارے اب نایاب ہو چکے ہیں اس لئے میں نے انہیں کتابی شکل میں شائع کرنا مناسب سمجھا تاکہ باباؒ سے عقیدت اور جان پہچان رکھنے والے ان سے مستفید ہو سکیں۔

مارتونگ باباؒ کے بارے میں اس کتابچے میں ویسے تو بہت سی باتیں اور واقعات ایسے ہیں، جنہیں پڑھ کر ایک عجیب کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔ اور بابا کے ساتھ عقیدت اور محبت کا رشتہ مزید استوار ہو جاتا ہے۔ لیکن میں ان کی زندگی کے آخری لمحات کے بارے میں ان کے پوتے قطب الدین صاحب کے حوالے سے درج ذیل واقعہ ضبطِ تحریر میں لانا ضروری سمجھتا ہوں۔

"وفات سے چند دن پہلے بابا نے اپنے بیٹے مولانا رشید احمد سے کہا کہ آثار بتا رہے ہیں کہ میں اس فانی دنیا سے جلد کوچ کرنے والا ہوں۔ ۲۲ جولائی ۱۹۷۶ء بروز جمعرات بہ وقت ایک بجہ دوپہر بابا نے مولانا رشید احمد سے کہا کہ میرا وقت قریب ہے۔ تم وضو کر لو اور میرے قریب بیٹھو۔ حکم کی تعمیل میں وہ وضو کے لئے اٹھ گئے۔ بابا کے پاس ان کے بیٹے برکات احمد صاحب رہ گئے۔ (راقم نے بابا کے بیٹھنے کے کئی انداز دیکھے ہیں۔ مثلاً وہ جب آرام کی خاطر بیٹھتے تو تکئے پر دونوں ہاتھوں سے سر کو سہارا اس انداز سے دیا کرتے کہ ان کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں

پیوست ہو جاتی تھیں۔ اس طرح ان کے دونوں بازو باہر نکلے ہوئے نظر آتے تھے۔ بابا نے آخری وقت میں بیٹھنے کا یہی انداز اپنایا تھا۔) چند لمحے بعد بابا کے بازو ڈھیلے پڑ گئے۔ اس پر برکات احمد نے اپنے بھائی مولانا رشید احمد کو آواز دی۔ وہ آئے دیکھا تو بابا کی روح عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی تھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن ۲۳ جولائی ۱۹۷۶ء نمازِ جمعہ کے بعد انہیں ان کے خاندانی قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ نمازِ جنازہ ان کے بیٹے مولانا رشید احمد نے پڑھائی۔ ان کے نمازِ جنازہ میں قرب وجوار کے مضافات کے لوگوں کے علاوہ بھی دور دراز سے آئے ہوئے ان کے شاگردوں، دوستوں اور عزیزوں نے شرکت کی۔ مولانا کی ساری زندگی دین کی تدریس میں گزری۔ ظاہری علم کے علاوہ باطنی علم میں بھی وہ یکتا تھے۔ تصوف میں وہ بہت بڑے رتبے پر فائز تھے لیکن زندگی بھر انہوں نے پیری کا لبادہ کبھی نہیں اوڑھا۔ ان کی پہچان برصغیر پاک و ہند کے ایک بہت بڑے عالم دین کی تھی اور لوگ ان کو ایک جید عالم دین کی حیثیت سے پہچانتے تھے۔

مارتونگ باباجیؒ کے ہزاروں شاگرد علم و دین کی رُوشنی پھیلانے میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔ جگہ جگہ وہ علم کے پیاسوں کی تشنگی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسا صدقہ جاریہ ہے جو تا قیامت جاری رہے گا۔ خداوند تعالیٰ ان کی قبر اپنی خصوصی رحمتوں، عنایتوں اور انوار سے منور کر دے۔ آمین

فضل محمود روخان

منگورہ، سوات

۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء

مولانا مارتونگ باباجیؒ مدظلہ

برصغیر کے شمال مغربی سرحدی علاقے اور کوہستانی سلسلے ہر دور میں علم وفضل کے لحاظ سے بڑے مردم خیز واقع ہوئے ہیں۔ یہاں بے شمار ایسے اکابر علم و حکمت اور اعیان رشد وہدایت بزرگ گذرے ہیں جن کا علم وعرفان اور جامع کمالات شخصیت پورے عالم اسلام کے لئے موجبِ فخر اور لائق تحسین بن سکتی تھی۔ مگر ایک تو دور دراز سنگلاخ اور دشوار گذار علاقوں میں رہائش، پھر بعض وجوہات سے عموماً تحریر وتصنیف کا موقعہ نہ ملنے اور پھر ان بزرگوں کی طبعی عزلت نشینی اور شہرت ونمود سے گریز نے ان کے فضائل اور کمالات کے غلغلہ کو بھی محدود رکھا نہ اُن کی سوانح حیات مرتب ہوئی نہ علوم وفیوض مدون ہو سکے نہ ان کے علمی وفکری ورثہ سے عالم اسلام اور برصغیر کو کماحقہ آگاہی حاصل ہو سکی۔ پھر یہ علاقے نہ تو دینی اداروں، دار العلوموں، درسگاہوں سے شناسا رہے نہ ادھر انجمنوں، تحریکوں اور جماعتوں کا رواج ہوا۔ نتیجتاً ایسے لائق افتخار اکابر اور اعاظم رجال شخصیتیں پشتون علاقوں، پہاڑوں اور بستیوں کے گوشہ خلوت کی نذر ہو گئیں۔ گو اللہ کی بارگاہ میں ان کے مقامات عالیہ اور مدارج میں اس سے کمی نہیں آسکی، ایسے ہی بقیۃ السلف اور علمی لحاظ سے جامع شخصیتوں میں حضرت مولانا خان بہادر صاحب مدظلہ عرف مولانا مارتونگ صاحب سابق مدرس دار العلوم سیدو

شریف سوات بھی ہیں۔ جو بحمداللہ بقید حیات (اب وفات پا چکے) ہیں۔ زندگی بھر علوم وفنون کا درس وتدریس ان کا شیوہ رہا۔ پشتون علاقوں میں معقولات اور علوم عقلیہ میں تو انہیں امامت کا درجہ حاصل رہا۔ اس وقت اپنے دور دراز پہاڑی وطن میں مقیم (مدفن) ہیں۔ "الحق" ایسے اکابر کی سوانح اور احوال کو محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ اس وقت خوش قسمتی سے مولانا موصوف کے ایک جید اور قابل وفاضل تلمیذ مولانا فضل مولیٰ صاحب چغرزی دار العلوم حقانیہ میں فرائض تدریس انجام دے رہے ہیں جو ۶ سال تک مسلسل مولانا سے شرف تلمذ پا چکے ہیں۔ پچھلے دنوں تعطیلات کے دوران انہوں نے اس غرض سے مولانا مدظلہ کے پاس جانے کا قصد کیا اور کئی دن ان کے پاس ٹھہر کر ان کی سوانح پشتو زبان میں ان کی زبانی قلمبند فرمائی اور ہم آج اسے پشتو سے اردو میں منتقل کرتے ہوئے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (س)

تاریخ ولادت : ۱۳۱۶ھ تخمیناً

نسب: والدہ کی جانب سے صدیقی اور والد کی جانب سے پختون قوم نصرت خیل پھر نصرت خیل میں خاص طور پر بے خان خیل حیدر خیل ہے۔

سکونت: مقام سکونت ڈیری مضافات دیدل کماچ علاقہ چغرزئی ضلع سوات۔

ابتدائی تعلیم: میری عمر تین برس تھی کہ میرے قبلہ گاہ والد صاحب ہندوستان چلے گئے اور وہیں لاپتہ ہو گئے۔ بلکہ آج تک پتہ نہیں چل سکا۔ میری والدہ صاحبہ نے میری تربیت شروع کی جبکہ وہ اپنے بھائی (میرے ماموں) کے گھر پر مقیم تھیں۔ میری عمر سات برس کی ہو گئی اور آٹھویں سال میں داخل ہوا تو میری والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ میرے چچا جو مولانا شیر بہادر صاحب موضع

چکیسر میں حضرت العلامہ مولانا لمان اللہ خان صاحب مصنف لمانیہ سے معقولات کی کتابیں پڑھتے تھے۔ میری والدہ کی وفات سے باخبر ہوئے تو فی الحال ہمارے گھر تشریف لائے اور مجھے مختلف وجوہات کی بناء پر اپنے ساتھ لے گئے۔

تقریباً چھ ماہ کے عرصہ میں، میں نے ناظرہ قرآن شریف موضع بلیائی مضافات اکاذی علاقہ غیر میں ختم کیا۔ اس کے بعد چچا صاحب کی ہدایت پر موضع بلیائی کے علماء مولانا عتیق اللہ صاحب مرحوم اور مولانا عبد اللہ صاحب مرحوم وغیرہ سے فارسی کتابیں معہ خط وکتابت پڑھیں۔ فارسی نظم میں، میں نے زلیخا ختم کیا اور مولانا عتیق اللہ صاحب سے صرف میر شروع کی اور تقریباً تین ماہ میں مزید کبیر سمیت زبانی یاد کیا۔ یہیں بلیائی میں علم صرف کی کتابیں صرف بہائی، زرادی، زنجانی قلیل مدت میں پڑھیں، مرح الارواح شروع کر چکا تھا کہ میرے چچا علم صرف میں زیادہ تکمیل کی بناء پر مجھے بڈلنہ گاؤں مضافات ہزارہ لے گئے۔ موضع بڈلنہ علم صرف کی ایک مکمل درسگاہ تھی اور یہاں ایک کامل صرفی عالم موجود تھے۔ یہاں مراح الارواح ختم کی اور قانون کھیوالی مشتمل بر ساٹھ قوانین صرف حفظاً یاد کیا۔ مراح کو بھی حفظاً یاد کیا تھا اور نماز مغرب سے عشاء تک ان کتابوں کا دور پورا کرتا تھا۔ پھر اپنے چچا صاحب موصوف کی معیت میں فصول اکبری بھی یاد کرلی۔

علم صرف سے فارغ ہو کر علم نحو کی کتابیں شروع کیں۔ نظم ماۃ عامل اور شرح ماۃ عامل علاقہ چھچھ میں تھوڑے عرصہ میں یاد کرلیں۔ ہدایۃ النحو نصف تک پہنچا چکا تھا کہ میرے چچا نے مجھے موضع بلیائی میں اپنے سابقہ اساتذہ کے پاس دوبارہ بلالیا اور خود تحصیل علم کے سلسلے میں دہلی جا کر وہاں کے مدرسہ نعمانیہ میں

داخلہ لیا۔ اس وقت وہاں کے صدر مدرس مولانا پُردل صاحب تھے۔ چچا جان وہاں مقیم ہو گئے تو پھر مجھے بھی بلالیا اور بلیائی کے اساتذہ نے ایک معتمد شخص کے ساتھ مجھے دہلی بھیج دیا۔ میرے چچا نے طالب العلمی کے ساتھ ساتھ دہلی کی مسجد میں امامت اختیار کرلی تھی۔ کھانا جو آتا تھا ایک ہی شخص کے لئے کافی ہوتا تھا وہ مجھے کھلا دیتے اور خود فاقے کرتے۔

ٹونک میں آمد: بالآخر فاقوں کی شدت سے تنگ آگئے تو مجھے ساتھ لے کر ٹونک چلے گئے اس وقت ٹونک کی حکومت اور ولایت جناب ابراہیم خان کے ہاتھ میں تھی۔ شہر میں دو دینی مدرسے تھے۔ ایک مدرسہ جس کا نام مدرسہ ء قافلہ تھا۔ نواب صاحب کے بھائی جنرل عبد الرحیم خان کی نگرانی میں تھا اور جناب مولانا سیف الرحمان صاحب جو علاقہ ہشت نگر چارسدہ کے باشندے تھے۔ اس کے صدر مدرس تھے اور دوسرا مدرسہ خود نواب صاحب چلا رہے تھے۔ جس کا نام مدرسہ ء خلیلیہ تھا۔ اس کے صدر اور سرپرست حضرت مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی تھے جو حضرت مولانا عبد الحق خیر آبادی کے براہِ راست شاگرد تھے۔ یہاں فنون معقولات کے لئے اور اساتذہ مقرر تھے اور مہتمم مدرسہ حضرت مولانا موصوف متقدمین کی کتابیں مثلاً افق المبین، شفاء اور اشارات خود پڑھاتے تھے۔ کبھی کبھار جب حمد اللہ اور قاضی کا درس دینے لگتے تو اطراف واکناف سے طلبہ بڑی کثرت سے جمع ہو جاتے مگر ہمارا داخلہ مدرسہ قافلہ میں ہوا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ وہاں کے صدر مدرس مولانا سیف الرحمان صاحب وطن سے واپسی میں سفر میں ساتھ ہوگیا اور ان کی معرفت ہم نے مدرسہ قافلہ میں داخلہ لیا۔ میں نے اس مدرسہ میں تین سال گزارے پہلے سال میں کافیہ اور دوسرے

سال میں شرح ملا جامی مولوی کلن صاحب سے پڑھیں۔ جو اس زمانہ میں ایک ممتاز نحوی تھے اور ان دو سالوں میں منطق کے بعض رسائل ایساغوجی، شرح تہذیب، ملا حسن، میبذی وغیرہ بھی پڑھے۔ اس اثناء میں حکیم مولانا برکات احمد صاحب نے اپنے صاحبزادہ کو شرح جامی کا درس دینا شروع کیا یہ درس ان کی ڈیوڑھی میں ہوتا اور اونچے درجہ کے طلباء اس میں تبرکاً بڑی کثرت سے شرکت کرتے۔ میں نے بھی حضرت حکیم صاحب کے صاحبزادہ کی معیت میں ان کا شرف تلمذ حاصل کیا اور دوسرے سال کے آخر میں مولانا حیدر حسن صاحب ٹونکی سے جو مشاہیر علماء میں سے اور مدرسہ قافلہ کے نائب صدر تھے۔ حمد اللہ کا کچھ ابتدائی حصہ پڑھا نیز اس مدرسہ میں مولانا محمد مصطفیٰ صاحب سے حساب اور مولانا حسب رضا صاحب سے سکندر نامہ پڑھا جو فارسی میں نہایت مشہور تھے۔ جبکہ اول الذکر حساب میں مشاہیر علماء میں سے تھی۔

ابھی ہم ٹونک میں تھے کہ حضرت مولانا سیف الرحمان صاحب کو مدرسہ فتح پوری دہلی کے اراکین نے سو روپیہ مشاہرہ پر طلب کیا۔ ٹونک میں آپ کا مشاہرہ چالیس روپے تھا۔ مولانا حکیم برکات احمد صاحب چونکہ نواب ٹونک کے خصوصی طبیب تھے۔ اس وجہ سے ان کا مشاہرہ تین سو روپے ماہوار تھا۔ حضرت مولانا سیف الرحمان صاحب کے فتح پوری مدرسہ تشریف لے جانے کے بعد تین ماہ کی مدت گذری تھی کہ میرے چچا صاحب بغرض علاج سورت راندیر ایک پشتون حکیم کے پاس گئے۔

مدرسہ فتح پوری دہلی میں: مدرسہ فتح پوری دہلی میں میرا امتحان داخلہ میبذی کے فصل ابطال جزء لایتجزی میں مولانا سیف الرحمان صاحب نے خود لیا۔ اس

موقع پر میں نے حضرت مولانا کے مشکل سوالات کا برجستہ جواب دیا تو بعد میں حضرت مولانا صاحب اکثر اپنی مجالس میں ذہانت کے لحاظ سے مجھے برق خاطف کہتے تھے۔ امتحان داخلہ کے بعد مجھے داخلہ مل گیا۔ یہ ۱۳۳۰ھ کی بات ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فنون کی اونچی کتابیں پڑھنے کی غرض سے علمی طبقوں کا رجحان مدرسہ عالیہ رامپور کی طرف بہت زیادہ تھا۔

مولانا قطب الدین غور غشتیؒ: ہمارے حضرت مولانا سیف الرحمان صاحب کی تجویز تھی کہ فتح پوری میں ایک ایسا جید معتمد معمر عالم لایا جائے جو طلبہ کا مرجع ہو اور مدرسہ کی طرف رام پور کی طرح طلبہ کا رجحان پیدا ہو سکے۔ اس تجویز کی بناء پر غور غشتی (چھچھ) کے مشہور عالم مولانا قطب الدین صاحب کو پچاس روپے ماہوار پر دعوت دی گئی۔ مولانا قطب الدین ایک معزز علمی خاندان اور مہمان نواز گھرانہ کے فرد تھے اور بے حد مقروض ہو گئے تھے۔ اس لئے مجبوراً فتح پوری کی دعوت قبول کی۔ ابھی یہاں حضرت موصوف مرحوم کو ایک سال ہی گذرا تھا کہ مدرسہ کے اطراف واکناف سے یہاں تک کہ رامپور سے بھی طلبہ کھینچے لگے اور فتح پوری مدرسہ علمی اور علوم وفنون کے لحاظ سے سارے ہندوستان کا مرکز بن گیا۔

مولانا قطب الدین کا علمی مقام: مولانا کے تدریس کے دوسرے سال مدرسہ کے اپنے طلبہ کے علاوہ ایک سو چالیس اونچی استعداد کے طلباء رامپور وغیرہ سے یہاں جمع ہو گئے۔ مولانا سیف الرحمان اور مولانا قطب الدین صاحب ہر دو حضرات نے دورہ حدیث قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

صاحب سے پڑھا تھا اور حضرت مولانا سیف الرحمان اس زمانہ میں مشاہیر محدثین میں سے تھے۔ لہٰذا دورہ حدیث کی کتابیں آپ ہی پڑھاتے۔ ایک دفعہ جب حضرت مولانا صاحب علیل ہو گئے اور بیماری طویل ہو گئی تو آپ نے دورہ حدیث کے طلبہ کو حکم دیا کہ میری بیماری کے دوران دورۂ حدیث شریف کے اسباق مولانا قطب الدین صاحب سے شروع کریں۔ طلبہ نے حضرت مولانا قطب الدین صاحب کی خدمت میں درخواست پیش کردی کہ مولانا نے اجازت دی ہے تو حضرت مولانا قطب الدین صاحب نے کتابوں میں اسباق کی جگہ معلوم کئے بغیر فرمایا کہ کل انشاء اللہ پڑھاؤں گا۔ کل تشریف لائیں۔ جگہ دریافت کی اور فی البدیہہ کامل تحقیق و مذاہب اور تفصیل و تطبیق احادیث نیز ترجیح مذہب امام ابو حنیفہؒ میں تقریر کی تو طلبہ متحیر ہو گئے کہ ہم تو انہیں ایک فلسفی عالم سمجھے تھے۔ مگر آپ تو احادیث کے بھی سمندر نکلے۔ چند دن آپ سے دورۂ حدیث پڑھنے کے بعد طلباء کی رائے یہ ہوئی کہ آپ حضرت مولانا سیف الرحمان سے تحقیقات فرمانے میں بڑھ کر ہیں۔ الغرض داخلہ کے بعد میں تین سال مدرسہ فتح پوری میں پڑھتا رہا اور اس عرصہ میں حمد اللہ، میرزا قطبی، میر زاہد، ملا جلال، قاضی مبارک، صدرا، میر کلاں، تصریح، اقلیدس پڑھیں سوائے تصریح کے جو میں نے مولانا عبد المنان صاحب باجوڑی سے پڑھی باقی یہ سب کتابیں مولانا قطب الدین صاحب سے پڑھیں۔

مولانا پُر دل صاحب: میری اس سہ سالہ مدت طالب علمی میں ایک مرتبہ مولانا قطب الدین صاحب بعض مجبوریوں کی بناء پر گھر نہ آسکے اور مدرسہ سے معذرت کی تو مولانا سیف الرحمان صاحب نے مولانا کی جگہ مدرسہ نعمانیہ دہلی

کے صدر مولانا پُر دل قندہاری کو پچاس روپے ماہوار پر طلب فرمایا اور انہوں نے خوشی دعوت قبول کی۔ مدرسہ نعمانیہ میں ان کی تنخواہ چالیس روپے تھی جب مولانا نے یہاں آکر تدریس شروع کی تو دوسرے دن مدرسہ نعمانیہ کے مہتمم معہ اپنے اہل و عیال کی منت سماجت کرنے مولانا کے پاس حاضر ہوئے اور تنخواہ بھی دس روپے بڑھا دی اور انہیں اپنے مدرسہ میں واپس آنے پر مجبور کیا اور مولانا پُر دل صاحب ان وجوہات کی بناء پر مدرسہ نعمانیہ ہی میں رہ گئے۔ بعد میں جب کوئی پوچھتا کہ آپ نے کیوں رائے بدل دی تو مولانا کی طبیعت میں ظرافت بھی تھی اور اردو بھی گلابی سی تھی۔ تو فرماتے کہ "پچاس ادھر ہو گیا پچاس ادھر ہو گیا اور بندہ حیران ہو گیا"۔

مولانا غلام نبی گلاوٹھی اور مولانا قاضی پوری صاحب: ان کے بعد مولانا سیف الرحمان صاحب نے مولانا قطب الدین صاحب کی جگہ پر ان کے ایک تلمیذ خاص مولانا غلام نبی صاحب گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کو طلب کیا۔ مولانا غلام نبی صاحب کی تبحر علمی کی وجہ سے مولانا سیف الرحمان صاحب انہیں علم کا تھیلا کہتے۔ اتفاق کی بات ہے کہ مولانا غلام نبی صاحب بھی دو ہفتے کے بعد مدرسہ چھوڑ کر چلے گئے تو مولانا سیف الرحمان صاحب نے اکثر طلبہ کے مشورے پر علاقہ چھچھ کے موضوع قاضی پور سے قاضی پوری مولوی صاحب کو دعوت دی جو ایک ممتاز عالم تھے۔ مولوی صاحب فتح پور تشریف لائے مگر چونکہ طلبہ منتہی تھے اور بکثرت اسباق میں شبہات اور اعتراضات کرتے رہتے اور قاضی پوری مولوی صاحب کے اردو تلفظ میں مادری زبان ہند کو بھی مخلوط ہوتی۔ لہٰذا ہر طالب علم کے اعتراض کا مولانا صاحب کی طرف سے میں مسکت جواب دیتا اور

مولانا صاحب میرے حق میں بڑی دعائیں دیتے اور مجھ سے بے حد راضی رہے لیکن مولانا موصوف بھی جب بعض وجوہات کی بناء پر ایک ماہ بعد مدرسہ چھوڑ کر چلے گئے تو مولانا سیف الرحمان نے ایک بار پھر سخت اصرار اور التجا کی۔ چنانچہ مولانا قطب الدین صاحب مجبوراً التجا اور تمنا کو پورا کرنے کی خاطر سال کے دوران ہی مدرسہ فتح پوری دوبارہ تشریف لائے اور عہدہ مدرسی سنبھالا۔

مولانا عبید اللہ سندھی: مدرسہ فتح پوری میں میرا دوسرا یا تیسرا سال تھا کہ مولانا عبید اللہ سندھی صاحب نے مدرسہ کے شمالی دروازہ کے اوپر والی عمارت کرایہ پر لی اور اس عمارت میں رہنے لگے ان کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک اور شوخی تھی آپ کی نشت اسی عمارت میں ہوتی اور فارغ التحصیل طلباء کو تکمیل کے طور پر "حجتہ اللہ البالغہ" کا درس دیتے اور ہر طالب علم کا درجہ تکمیل میں پچاس روپے ماہوار وظیفہ دیتے۔

خفیہ مشورے اور سفر کابل: جب حضرت مولانا سیف الرحمان صاحب اپنے اسباق سے فارغ ہو جاتے تو وہ اور مولانا سندھی مسجد فتح پوری کے محراب میں خفیہ مشورے کرنے لگتے۔ کسی کو ان باتوں کی خبر نہ ہوتی نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ مولانا سیف الرحمان صاحب نے انگریزی فوج میں بھرتی ہونے کے بارے میں فتویٰ مرتب کیا اور اس کی اشاعت ایک معتمد ذمہ دار شخص کے سپرد کر دی۔ خود اس فتویٰ کے اشاعت سے تین روز قبل حضرت حاجی صاحب ترنگزئی مرحوم کے پاس مہمند اور پھر وہاں سے کابل چلے گئے۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اس کے چند روز بعد کابل تشریف لے گئے اور مولانا شیخ الہندؒ نے عرب کی طرف ہجرت

فرمائی ان دنوں خلافت کمیٹی کے جلسوں کی گرمی مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی کے دم سے تھی اور مولانا آزاد جو امام الہند کے نام سے ملقب تھے کبھی کبھی کلکتہ سے ان جلسوں میں شرکت کرنے دہلی آتے۔

منڈو میں قیام: تین سال گذرے تھے کہ مولانا قطب الدین صاحب غور غشتیؒ کو منڈو ضلع علی گڑھ میں مولانا ماجد علی صاحب مشہور محدث اور معقول عالم کی جگہ منصبِ صدارت پر طلب کیا گیا۔ میں بھی ۱۳۳۳ھ میں مولانا صاحب کے ساتھ منڈو چلا گیا اور مولانا عبد السلام قندہاری (جو میرے ہم عصر تھے) بھی ساتھ ہی تھے۔ جنہیں معقولات کی اکثر کتابیں ازبر تھیں اور غضب کا حافظہ تھا۔ وہاں میں اور مولانا عبد السلام قندہاری اور درجہ علیا کے دیگر طلبہ نے شرح مطالع از اول تا بحث تناقض اور شرح اشارات از اول تا نمط تاسع، خیالی اور شرح چغمنی پڑھیں۔

رفاقت اور علمی نوک جھونک: شرح اشارات کے درس کے دوران تقریباً تین ماہ تک میرے اور مولانا عبد السلام قندہاری کے درمیان علمی نوک جھونک اور مناظرے جاری رہتے، جب ہمارے مناظرے زور پکڑ گئے اور رفقائے درس طلباء تنگ آگئے تو مولانا قطب الدین صاحب سے درخواست کی کہ ہم تو آپ سے پڑھنے آئے ہیں ان دونوں کے مناظرے سننے تو نہیں آئے۔ مولانا صاحب نے فرمایا جاہلو! میرے پڑھانے سے ان دونوں کے یہ مناظرے تمہارے لئے زیادہ مفید ہیں اس طرح آپ کو بہت سے علوم مستحضر ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے منڈو میں پختون طلبہ آدھے میرے اور آدھے مولانا عبد السلام کے طلبہ ہوتے۔

چونکہ مولانا عبدالسلام اردو نہیں جانتے تھے، اس لئے ہندوستانی اور بنگالی طلبہ بھی میرا ساتھ دیتے۔ مولانا کے شاگرد انہیں پڑھاتے رہتے۔ اسی باہمی تفاضل کا اختلاف بڑھتے بڑھتے، شدت اختیار کر گیا۔ تو مولانا قطب الدین کو اس بارے میں فیصلہ کرنے کا حاکم بنایا کہ ان کے فیصلے پر عمل ہوگا۔

ایک دن دونوں جماعتوں کے نمائندہ افراد نماز عصر کے بعد اس امر کا فیصلہ کرنے مولانا قطب الدین صاحب کے پاس جمع ہوگئے۔ مولانا نے یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ دونوں ذہین ہیں۔ آپ جائیں اور یہ اختلاف چھوڑ دیں ورنہ اختلاف مزید بڑھ جانے کا خطرہ ہے۔ تو حضرت مولانا نے مجبوراً فرمایا کہ "مولانا عبدالسلام کی معلومات اتنی ہیں کہ اگر کسی ایک مقام پر بحث شروع کردیں تو ایک دن میں بھی ان کی تحقیقات ختم نہیں ہوسکیں گی۔ اس لئے کہ ان کا حافظہ بہت زیادہ ہے اور اگر مولوی خان بہادر کسی ایک مقام کی توجیہات شروع کردیں تو کمال ذہانت کی وجہ سے ان کی توجیہات کئی روز تک ختم نہ ہوسکیں گی۔ کیونکہ یہ زیادہ ذہانت کی بناء پر مجتہد ہیں۔ خلاصہ یہ کہ مولانا عبدالسلام صاحب حافظ ہیں اور مولانا خان بہادر مجتہد ہیں۔ الغرض منڈو میں، میں نے تین سال گذارے اور ۱۳۳۵ھ میں، میں دیوبند چلا گیا۔

دارالعلوم دیوبند : ۱۳۳۵ھ میں دارالعلوم دیوبند گیا، میں نے داخلہ امتحان کے لئے فارم میں تین کتابیں لکھیں۔ قاضی، شرح اشارات، شرح چغمینی۔

مولانا انور شاہ کشمیریؒ : میرے امتحان داخلہ کے لئے حضرت کشمیریؒ (شاہ انور شاہؒ) تجویز کئے گئے جس وقت میں امتحان دینے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو

انہوں نے قاضی کے مبحث تشکیک میں سے تشکیک الماہیات میں سے شروع فرمایا ور لما انتفاء الماھیۃ تک تقریباً ایک صفحہ میں، میں نے حضرت والا شان کو امتحان دیا۔ اس کے بعد حضرت والا شان نے کتاب بند فرمائی اور یاد سے منتشر سوالات شروع کئے، میں نے اس کے مناسب جوابات دیئے۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ امتحان کی دو کتابیں اور باقی ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ معلومیۃ قابلیت کے لئے ایک کتاب کا امتحان کافی ہے۔ اس لئے باقی دو کتابوں میں امتحان نہیں ہوا۔ پھر دریافت فرمایا کہ اس سال یہاں دارالعلوم میں آپ کونسی کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، ہدایہ مکمل اور توضیح۔ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ دورۂ حدیث کے لئے متنبی کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے متنبی بھی پڑھ لیں۔ اسی دن سے میرا کھانا مطبخ سے جاری ہوا اور نمبرات کے لحاظ سے میں عمدہ درجہ میں کامیاب ہوا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی : میرے اسباق کی ترمیم و ترتیب حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے حوالہ تھی انہوں نے مجھ سے کتابوں کے بارہ میں دریافت کیا تو میں نے ان کتابوں کا نام لیا جو حضرت شاہ صاحب کے سامنے لئے تھے۔ تو مولانا شبیر احمد صاحب نے پوچھا کہ جب ہدایہ مکمل پڑھنا چاہتے ہیں تو کیا شرح وقایہ آپ نے پڑھی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ شرح وقایۃ تو کیا میں نے کنز الدقائق بھی نہیں پڑھی تو فرمایا کہ جب شرح وقایہ اور کنز بھی نہیں پڑھے تو ہدایہ مکمل کس طرح لے سکتے ہیں؟ تو میں نے جواب میں کہا کہ آپ اپنے اس دارالعلوم کے کسی مکمل طالب علم کو بلائیں کہ ہدایہ پڑھ چکا ہو اور اعلیٰ طریقہ سے کامیاب بھی ہوا ہو۔ پھر مجھے اور ان کو پانچ منٹ کی فرصت دے کر کسی مشکل جگہ

میں متعین فرما کر بعد میں دونوں سے امتحان لیں اور ہم دونوں کا موازنہ کرلیں۔ مولانا شبیر احمد صاحب نے فرمایا کہ آپ کی قابلیت میں کوئی شک نہیں کہ جب آپ نے امتحان کے لئے شرح اشارات اور قاضی کا نام لکھا ہے اور پھر قاضی میں حضرت شاہ صاحب کا امتحان دے کر عمدہ نمبرات سے کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ مگر یہ ترتیب ہمارے دار العلوم کے اصول کے خلاف ہے کہ شرح وقایہ نہ پڑھی ہو اور اسے ہدایہ میں شریک کرلیا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کا یہ قانون غلط ہے۔ اس وجہ سے کہ اس میں مراتب اذہان کی تفاوت کی رعایت نہیں تو انہوں نے منطقی لہجہ میں فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ دینیات میں مرکز خاک پر ہیں اور معقولات میں محدبِ فلک الافلاک پر ہیں تو میں نے جواباً کہا کہ اس لئے کہ معقولات مبادی ہیں اور دینیات مقاصد اور مبادی مقاصد پر طبعاً مقدم ہوتے ہیں۔ لہٰذا میں نے وضعاً بھی انہیں مقدم رکھا ہے۔ تاکہ وضع طبع کے ساتھ مطابق ہو رہے۔ پھر آپ نے سوال کیا کہ آپ نے کونسی شرح اشارات پڑھی ہے۔ امام رازی کی یا طوسی کی؟ تو میں نے جواب میں قصداً ابہام سے کام لے کر کہا کہ جو شرح اشارات مدارس میں مروج ہے۔ اس کو پڑھ چکا ہوں تو فرمایا کہ میں اسی ہی کو متعین کرنے کا پوچھتا ہوں تو میں نے کہا کہ آپ کے دار العلوم کا جو بلند و بالا نصاب ہے۔ خود آپ کے سامنے ہے پھر مجھے اس کے تعین کی کیا ضرورت ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب آپ ناراض ہو رہے ہیں تو میں نائب مہتمم مولانا حبیب الرحمان سے آپ کو ہدایہ میں شمولیت کی اجازت لے لوں گا۔ میری خفگی حضرت مولانا نے میرے مذکورہ جوابات سے محسوس فرمائی۔

دیوبند سے امروہہ: مگر ابھی اسباق شروع نہیں ہوئے تھے کہ دیوبند کی آب و

ہوا کی عدم موافقت کی وجہ سے میں بیمار ہو گیا تو میں نے بعض معتمد طلباء سے مشورہ کیا۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ امروہہ ضلع مراد آباد کی آب و ہوا بہت عمدہ ہے۔

مولانا حافظ عبدالرحمان امروھی: وہاں کے مدرسہ کے صدر مولانا حافظ عبدالرحمان امروھی مشاہیر مفسرین اور اکابر محدثین میں سے ہیں۔ آپ جلالین شریف میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور احادیث میں حضرت گنگوھیؒ کے براہ راست شاگرد تھے تو میں امروہہ چلا گیا۔ وہاں میری صحت بالکل ٹھیک ہو گئی۔ امتحان داخلہ میں پہلے نمبر پر کامیاب ہو کر داخل مدرسہ ہو گیا۔ مشکوٰۃ شریف میں نے یہاں مولانا رضا حسن صاحب سے پڑھی جو حضرت مولانا سید احمد حسن امروھی کے بھتیجے تھے اور مولانا احمد حسن مرحوم احادیث میں حضرت گنگوہیؒ کے بالذات شاگرد تھے اور اپنے وقت میں مشاہیر اور اکابر محدثین اور معقول علماء میں سے تھے اور اپنے دور کے کامل اولیاء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کا ارشاد: یہ بات مشہور تھی کہ مولانا احمد حسن پر جلالی شان غالب تھی اور ان کے ساتھی حضرت شیخ الہند پر جمالیت کا غلبہ تھا اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ان دونوں میں سے ایک میری عین یمنٰی (داھنی آنکھ) اور دوسری عین یسریٰ (باھنی آنکھ) ہے اور یہ تعین نہ فرماتے کہ کون عین یمنٰی اور کون عین یسریٰ ہے۔ توضیح اور ہدایہ اولین غالباً مولانا امین الدین سے شروع کیا اور ہدایہ اخرین تفسیر بیضاوی اور جلالین شریف حضرت والاشان مولانا حافظ عبدالرحمان صاحب سے شروع کیں۔ ایک کتاب ختم ہونے

کے بعد دیوان متنبی بھی حضرت حافظ صاحبؒ سے پڑھی تقریباً دو ماہ گذرے تھے کہ مولانا امین الدین صاحب کو جو بہت بڑے حکیم تھے۔ حکیم اجمل خان صاحب نے دہلی اپنے طبیہ کالج کے لئے طلب کیا۔ ان کے جانے سے جگہ خالی رہ گئی۔

طالب علمی میں تدریس: اس وقت تک درجہ علیا کے طلبہ مجھ سے خارجی اوقات میں معقولات کی اہم کتابیں پڑھنے لگے تھے اور حضرت مولانا امروھی سے میری بڑی تعریفیں کرتے تو حضرت مولانا نے مجھے فرمایا کہ چونکہ نائب صدر چلے گئے۔ ان سے آپ توضیح پڑھتے تھے وہ اب میں پڑھاؤں گا اور ان کے ذمہ معقولات کے علاوہ دیگر کتابیں باقی مدرسین اور معقولات کی جو کتابیں صدرا، قاضی، حمد اللہ ان کے پاس تھیں وہ اب آپ خارجی اوقات میں بحیثیت معاون مدرس پڑھائیں گے اور اس کی مناسب تنخواہ بھی مقرر ہوگی اور اگلے سال جب آپ دورۂ حدیث سے فراغت پاسکیں تو یہ کتابیں مستقل آپ کے سپرد ہوں گی اور آپ بحیثیت نائب صدر مستقل مدرس ہوسکیں گے۔ اراکین مدرسہ کی شوریٰ بھی طلب فرمائی جنہوں نے اس مشورہ کی منظوری دی اور میرے لئے چارپائی، بستر وغیرہ اور کچھ ماہانہ وظیفہ مقرر کیا گیا۔ اگلے سال حضرت امروہی مرحوم سے دورۂ حدیث شروع کیا۔

مولانا امروہی مسلک کی تلاش میں: آپ نے وقت اور حالات کے مطابق دو ایک باتیں یہ فرمائیں کہ میں نے دورۂ حدیث تین مرتبہ کیا۔ پہلی بار عدم واقفیت کی وجہ سے ایسے استاد سے کتابیں پڑھیں کہ وہ غیر مقلد تھے۔ (ان کے نام کا تعین آپ نے نہیں کیا) دورہ شروع ہونے کے بعد اثنائے درس میں اور

بعد اختتام دورہ مجھ میں عدم تقلید کے اثرات نمایاں ہونے لگے۔ لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ ثانیاً دورۂ حدیث اس خیال سے کروں کہ حق حقیقی مجھ پر واضح ہو سکے۔ اس بناء پر میں حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جب ان کے درس میں شریک ہوگیا تو جس مقام پر میرا شک اور تردد ہوتا۔ حضرت گنگوھیؒ فراستِ ایمانی کی روشنی سے میری طرف متوجہ ہوجاتے اور ایسی تحقیق فرمالیتے کہ مجھے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب و مسلک حق ہونے کا یقین حاصل ہوجاتا۔

حضرت گنگوھیؒ کا درسِ حدیث: حضرت گنگوھیؒ کی یہ خصوصیت تھی کہ اختلافی مباحث میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب اقصیٰ مراتب کمال میں واضح کردیتے۔ اس طرح کہ کسی قسم کا شک وشبہ مذہبِ امام کی حقانیت میں نہ رہ سکتا تھا۔ یہ احادیث میں ہمیشہ آپ کی عادتِ شریفہ رہی کہ اختلافی مسائل میں پہلے مذاہب اربعہ بیان کرلیتے پھر امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے جوابات دیتے اور اثبات مذہب حنیفہ کے لئے احادیث بیان فرماتے اور مخالفین کی احادیث کا امام ابو حنیفہؒ کی طرف سے جوابات دیتے۔ تو ایک مرتبہ کسی شاگرد نے عرض کیا کہ حضرت اگر امام شافعیؒ زندہ ہوتے اور آپ کی تحقیقات سے واقف ہوجاتے تو وہ بھی حنفی ہوجاتے۔ اس بات کا حضرت گنگوھیؒ پر اتنا بڑا اثر ہوا کہ رنگ زرد ہوگیا اور بے ہوش ہوگئے۔ ہوش میں آنے پر اس طالب علم کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ ارے گستاخ! اگر حضرت امام شافعی زندہ ہوتے تو رشید احمد تمہیں اسباق پڑھاتے یا حضرت امام شافعیؒ کی کفش برداری میں لگے رہتے۔؟

الغرض جب میں نے گنگوہ میں دورۂ ختم کیا تو علاوہ دو تین مقامات کے

میرے سارے شکوک رفع ہو گئے اور امروہہ چلا آیا۔ یہاں حضرت مولانا احمد حسن امروہی کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ حضرت میرے تمام شکوک حضرت گنگوہیؒ کے درس میں رفع ہو گئے ہیں۔ سوائے دو تین مقامات کے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے دورۂ حدیث کے اسباق میں بیٹھا کریں بلکہ پورا دورۂ یہاں بھی پڑھ لیں۔ تو جناب میں نے تیسری بار یہاں حضرت مولانا احمد حسن امروہی سے بھی دورۂ حدیث پڑھا تو مذہب امام ابو حنیفہؒ مجھ پر بمنزلہ موجود عینی کے منکشف ہو گیا۔

مولانا محمد قاسم کی کرامت: تیسری بات یہ ہے کہ ایک دفعہ درس میں طلبہ نے حضرت والاشان سے اس تعجب کا اظہار کیا کہ آپ کا جسم اتنا بھاری ہے۔ کثیر الجسامۃ ہیں مگر رفتار میں پھر بھی اتنے تیز کہ ہم آپ کی عام رفتار کو دوڑنے میں بھی نہیں پہنچ سکتے۔ تو انہوں نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ جب میں نے دیوبند میں حضرت نانوتویؒ مرحوم سے خصوصی سفارشات کی وجہ سے مستقل طور پر جلالین شریف پڑھنا شروع کیا اور اعلیٰ درجہ کے مدرسین بھی اس میں سامع ہوتے۔ مجھے اس زمانہ میں چلنے میں بھی بڑی دقت ہوتی۔ تو تنہائی میں ایک بار حضرت کی خدمت میں دعا کی درخواست پیش کی کہ موٹاپے کی وجہ سے چلنے پھرنے میں بڑی تکلیف ہے۔ میرے لئے دعا فرمائیں کہ یہ تکلیف سرعت رفتار سے بدل جائے۔ تو حضرت نانوتویؒ نے اس وقت سکوت فرمایا۔ مگر تہجد کے بعد میں اپنے حجرہ میں جلالین شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کہ کسی نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا باہر نکلا تو حضرت نانوتویؒ تشریف لائے تھے۔ فرمایا کہ دروازہ بند کر دو میں نے تعمیل حکم کی اور حضرت میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چل پڑے اور کسی آیت کی

تحقیق سے متعلق بات چھیڑ دی کہ اس میں آپ کو کچھ معلومات ہیں؟ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت ہی اس کی تحقیق فرمادیں۔ ہم راستہ میں چل رہے تھے اور حضرت نے آیت کی تحقیق شروع فرمائی۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں آبادی تھی اور تھوڑی دیر رُکے تھے کہ پیرانِ کلیر کے خادم مزار حاضر ہوئے، مزار کا دروازہ کھول دیا میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ حضرت نانوتویؒ حجرہ میں داخل ہوئے اور قبر کے پاس کچھ دیر مراقبہ فرمایا پھر باہر تشریف لائے اور میرا ہاتھ اس طرح اپنے ہاتھ میں لے کر چل پڑے اور جہاں آیت کی تحقیق چھوڑی تھی وہاں سے آگے بات شروع فرمائی۔ کچھ دیر کے بعد ہم دیوبند کے اپنے حجرے میں پہنچ گئے۔ جبکہ مدرسے سے پیرانِ کلیر کا مزار تقریباً چار پانچ میل یا اس سے زیادہ تھا ہمارا وہاں آنا جانا، مراقبہ کرنا سب کچھ تقریباً پندرہ منٹ میں ہوا جب ہم حجرہ میں پہنچے تو جسم میں نہایت خفت، پھرتی اور رفتار میں نہایت سرعت تھی۔ یہ حضرت کی اس کرامات کا اثر تھا کہ عظمت جسامۃ کے باوجود میں اتنا سریع رفتار والا ہوں۔ الغرض میں نے حضرت کے سرعۃ المسافۃ کی کرامت کے علاوہ اور بھی حضرت کی کرامت کا مشاہدہ کیا۔

مارتونگ جانے کے اسباب: ۱۳۲۶ھ کے آغاز میں، میں نے دورۂ حدیث شروع کیا تو اسی سال میرے چچا دہلی سے ہری پور ضلع ہزارہ تشریف لے گئے۔ ہری پور کے قریب موضع کلاہٹ میں مقیم ہو گئے۔ چونکہ وہ ایک تبحر ذکی عالم تھے اس لئے بڑی کثرت سے ہزارہ اور چھچھ کے مختلف طلبہ جمع ہو کر مختلف کتابیں علوم و فنون کی آپ سے پڑھنا شروع کیں۔ انہی ایام کے لگ بھگ ہمارے گاؤں مارتونگ کے ایک قاضی صاحب جو ایک بہترین عالم تھے وفات پا گئے۔ قوم کی خواہش تھی

کہ ان کی جگہ ایک ایسے جامع مکمل عالم آجائیں جو مختلف فنون کے طلبہ کو بھی اپنے ارد گرد اکٹھا کر سکے اور ساتھ ہی متقی اور منصف مزاج بھی ہوں کہ قومی جھگڑوں کا فیصلہ عدل و انصاف سے کر سکے۔ لوگ اس کوشش میں تھے کہ میرے استاد حضرت مولانا عتیق اللہ صاحب بلیانئی کے باشندے تھے اور میرے چچا کے ہم عمر اور مخلص دوست بھی تھے۔ انہیں میرے چچا کے بارے میں پتہ چل گیا کہ وہ ہندوستان سے آکر کلاہٹ میں طلبہ کو درس دے رہے ہیں۔ لہٰذا مولوی عتیق اللہ صاحب نے مارتونگ جاکر وہاں کے عوام کو جمع کیا اور کہا کہ آپ کے حسبِ خواہش عالم مجھے معلوم ہے جو ایک جامع متبحر منصف عادل عالم شخص ہے اور ان کا ایک بھتیجا بھی امروہہ سے اس سال فارغ التحصیل ہونے والا ہے تو مارتونگ کے لوگوں کے جرگہ نے انہیں باصرار کہا کہ خدا کے لئے اس عالم کو کلاہٹ سے لے آئیں تو مولانا عتیق اللہ صاحب کلاہٹ گئے اور میرے چچا کو مارتونگ لے جانے پر مجبور کیا۔ ان کی آمد پر مارتونگ کے لوگوں نے اتفاق کیا کہ آپ ہی ہمارے پیش امام مدرس اور قاضی ہیں۔ میرے چچا نے میرا ذکر کیا کہ وہ شعبان میں فارغ ہو کر آئیں تو میں ان کے متعلق بھی آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ انہیں یہاں دینی خدمات کے لئے رکھوں گا۔ اس کے بعد میرے عم محترم نے لگاتار کئی خطوط امروہہ بھیجے اور لکھا کہ امتحان اور فراغت کے بعد فوراً مارتونگ پہنچ جائیں۔

مولانا امروہی سے وعدہ تدریس: ۱۳۳۶ھ کے آخر میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوا اور حضرت مولانا عبدالرحمان امروہی سے اجازت طلب کی کہ میرے چچا نے مجھے فوری طور پر طلب کیا ہے اور میرے لئے ان کے مشورہ اور حکم سے تخلف کرنا مشکل ہے۔ لہٰذا مجھے جانے کی اجازت عطا فرمادیں تو انہوں

نے اس شرط سے اجازت مشروط کر دی کہ آپ آئندہ سال بھی تعطیل کے بعد بحیثیت نائب صدر کے تدریس کے لئے یہاں آئیں گے۔ میں نے وعدہ کیا تو انہوں نے وعدہ کی توثیق کی غرض سے مہتمم مدرسہ کو فرمایا کہ ان کا سامان بستر وغیرہ دفتر ہی میں رکھ دو اور اس کو طلبہ کے امدادی فنڈ، صدقات سے آنے جانے کا کرایہ اور خرچہ دے دو، مدرسین کی مد سے اس لئے نہ دو کہ بالفرض اگر مجبوراً نہ آسکیں تو ذمہ دار اور گنہگار نہ ہوں گے تو میں مولانا کی اجازت سے رخصت ہو کر مارتونگ چلا آیا۔ اپنے چچا سے مولانا صاحب کے ساتھ کئے گئے وعدہ کا ذکر ہوا، انہیں پریشانی ہوئی کہ اب یہ دوبارہ جائیں گے۔ ان ہی دنوں مولانا عتیق اللہ صاحب بھی مارتونگ میں موجود تھے تو میرے رکوانے کے لئے ان میں یہ تجویز طے ہوئی کہ ان کا عقد نکاح کر لیا جائے۔

عقدِ نکاح اور تدریس: چنانچہ اس تجویز کو زیر عمل لایا گیا، مجبوراً مجھے مارتونگ میں ٹھہرنا پڑ گیا تو تدریس شروع کی۔ میں اواخر شعبان ۱۳۳۶ھ میں یہاں آیا تھا۔ رمضان المبارک شروع ہوا اور میرے عم محترم کے ہاں مختلف فنون شروع تھے انہوں نے بعض طلبہ میرے سپرد کئے۔ اسباق شروع کراتے ہی طلبہ مجھ سے نہایت مطمئن ہوئے تو طلبہ کی خوشی کی وجہ سے میرے چچا نے اکثر کتابیں میرے حوالہ کر دیں اور دو تین کتابیں اپنے پاس رہنے دیں دو تین سال ہی میں فنون کے اعلیٰ درجہ کی کتابوں میں شہرت ہوئی اور اطراف و اکناف سے کثرت کے ساتھ طلبہ کا ہجوم ہوا اور مجبوراً مجھے درس کو منظم اور باضابطہ شکل دینی پڑی۔ اس طرح کہ میں سات آٹھ اسباق اپنے ذمہ لے لیتا اور طلبہ اپنی مناسبت سے ان کتب مشروعہ میں شامل ہو جاتے۔

حضرت سنڈاکیؒ بابا سے **بیعت و سلوک کا تعلق**: اس اثناء میں جب میں مارتونگ میں مقیم تھا کہ حضرت شیخ المشائخ قطب الارشاد مولانا مولوی ولی احمد صاحب المعروف بہ سنڈاکیؒ بابا لوگوں کے رشد وہدایت اور قومی رسم ورواج کی اصلاح کی غرض سے سوات تشریف لائے اور سوات کے علاقہ "شامیزو" میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ حضرت مولانا نجم الدین صاحب حضرت شیخ المشائخ مولانا عبدالغفور صاحب معروف بہ سوات باباجی صاحب مرحوم کے خلیفہ تھے۔

چونکہ سنڈاکی باباؒ کی اصلاحات اور دفع مظالم کے واقعات حدِ شہرت کو پہنچ گئے اور کرامات کا غلغہ ہوا تو میرے قلب میں جذبہ محبت موجزن ہوا اور اپ سے بیعت کے لئے فرطِ اشتیاق پیدا ہوا تو اپنے چچا صاحب کی اجازت سے سوات کی علاقہ شامیزو چلا گیا کہ حضرت کی ملاقات سے مشرف ہو جاؤں۔ ان کے ساتھ میرا تعارف پہلے سے بھی تھا۔ وہ اس طرح کہ آپ جزیرۃ العرب سے واپسی کے دوران دہلی تشریف لائے تھے اور دہلی کے عوام میں عموماً اور طلباء و علماء کے حلقوں میں خصوصاً ان کا چرچا ہوا تین چار بعض وجوہات سے آپ دہلی تشریف فرما رہے۔ اس وقت میری جوانی کا ابتدائی زمانہ تھا مگر میں نے بعض اوراد کی اجازت ان سے لے لی تھی اور اس کا اتنا اثر تھا کہ چار پانچ ماہ تک میں مدرسہ فتح پوری سے دہلی کے بازار تک نہیں گیا۔

اس کے بعد دہلی سے حضرت سنڈاکی باباؒ پشاور تشریف لائے اور تھکال پایاں میں مقیم ہوئے اور لوگوں سے مشورہ کیا کہ یہاں ایک ایسی درسگاہ قائم کی جائے جو ہندوستان کے دیوبند کے طرز پر ہو، مدرسہ کی عمارت کی تعمیر شروع فرمائی مگر عمارتی چوب اور دیگر ضروریات کی غرض سے سوات تشریف لائے اور

علاقہ شامیزی میں ٹھہر گئے۔ یہاں چونکہ نواب دیر کی حکومت تھی اور حکومت کے کارندوں کے مظالم پختونوں کے غرباء پر حد سے زیادہ ہو گئے تھے۔ اور پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ آپ یہاں کی اصلاح اور نواب دیر کی حکومت ختم کرانے کے خیال سے یہیں مقیم ہو گئے اور دارالعلوم تھکال کے بنانے کی تجویز ادھوری رہ گئی۔

سنڈاکی باباؒ سے **بیعت**: سابقہ تعارف کی بناء پر میں حضرت سنڈاکی باباجی مرحوم کا شرف ملاقات حاصل کرنے علاقہ ء سوات کے موضع شامیزی روانہ ہوا اور حضرت کی خدمت میں بیعت کی درخواست پیش کی۔ حضرت کا قاعدہ تھا کہ بیعت سے ان افراد کو نوازتے تھے جن میں صداقت، خلوص اور تکمیل شوق کا جذبہ ہوتا۔ لیکن میری درخواست بیعت پر کسی قسم کا پس و پیش نہ کیا۔ اسی رات میں نے نمازِ استخارہ پڑھی اور سو گیا۔ خواب میں جو کچھ نظر آیا وہ صبح کے وقت میں نے حضرت کو حرف بہ حرف بیان کیا۔ میری روئیداد کو سن کر حضرت نہایت خوش ہوئے اور مجھے اس مسجد سے جہاں بہت ہجوم رہتا اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ چلتے چلتے ہم گاؤں کی ایک پرانی ویران سی مسجد میں پہنچ گئے اور یہیں پر حضرت نے مجھے بھی وضو کرنے کا حکم دیا اور خود بھی وضو کیا اور مسجد کے ایک تاریک کمرے میں مجھے بیعت سے نوازا۔ خصوصی ہدایات دیں اور کتاب اللہ پر عمل کی ترغیب کی۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر حضرت نے مجھ سے خصوصی مصافحہ فرمایا اور کہا کہ بیعت کا اس قسم کا مصافحہ سلسلہ وار چلا آرہا ہے اور یہ بلا واسطہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ ہوتا ہے اور بیعت رسول ﷺ درحقیقت بیعت خدا ہے۔ ید اللہ فوق ایدیھم۔ اور آج کے بعد تم پر لازم ہے کہ رب کے قوانین کی

حدود کے اندر رہیں اور ہر قسم کی نفسانی اور حیوانی خواہشات کو قابو میں رکھیں۔
اس کے بعد میں ہر چار پانچ سال کے بعد حضرت کا شرفِ ملاقات حاصل کرنے کے لئے خدمتِ اقدس میں حاضری دیا کرتا تھا۔ اس دوران میں نے اپنے اسباق سلسلہ قادریہ کی تکمیل بھی کی۔ حضرت نے چونکہ مجھے خلافت سے نہیں نوازا تھا اور نیز چند مقامی وجوہات کی بناء پر وہ دیر چلے گئے تھے اور وہاں موضع کوہاں شریف میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس لئے ان کی وفات تک زیارت کا موقع نصیب نہ ہو سکا۔ ان کا مزار شریف یہیں ہے۔

جذبہء تبلیغ کی شدت: حضرتؒ کی وفات کے چند سالوں بعد دل میں جذبہء تبلیغ ابھر آیا اور چند باعمل اور صالح علماء کو اپنے ساتھ لے کر گاؤں گاؤں پھرے اور تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف احکامِ شرعی کا نفاذ تھا۔ میری ان کوششوں کا نتیجہ بہت جلد سامنے آیا اور علاقہ مارتونگ، چکیسر اور علاقہ لاسین چغرزئی میں ہمیں بے حد کامیابی حاصل ہوئی۔ میری ان مخلصانہ جدوجہد اور شوق سے متاثر ہو کر میری قوم نے مجھ سے بیعت کے مطالبے شروع کئے۔ لیکن چونکہ میں بیعت کا مجاز نہیں تھا۔ اس لئے میں نے کوئی ایسا کام نہیں کرنا تھا جس کا مجھے حکم نہیں ملا تھا۔ لیکن میرے جو وظائف اور اذکار لوگوں نے سنے تھے انہوں نے از خود انہیں ورد میں شامل کر لیا اور قدرت الٰہی یہ کہ وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ بعد ازاں میں علاقہ تیراہ میں بڑوان شریف گیا۔ وہاں حضرت شیخ المشائخ سید عبدالرزاق سے ملاقات ہوئی۔ (موصوف نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ سلسلوں میں خلیفہ تھے) اسی دوران ہم احکامِ شرعی کی تبلیغ کرتے رہے اور خصوصاً ادائیگی حج پر ہم نے بہت زور دیا۔ لوگوں کو

اس فریضہ کی جانب مائل کرنے کا نہایت اثر ہوا۔

فریضہء حج: بعض اکابرین چکیسر نے مجھے بھی فریضہ حج ادا کرنے کی پیشکش کی۔ اگرچہ زادِ راہ کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن توکل علی اللہ اور وسیلہ انسان کے ذریعے خدا نے مجھے اپنے گھر کی زیارت سے نوازنا تھا سو وہ ہوا۔ ۵ شوال ۱۳۴۸ھ کو روانگی ہوئی۔ راستے میں کچھ عرصے تک بمبئی میں ٹھہرے رہے۔ لیکن جب مکہ معظمہ پہنچ گئے تو ذیقعدہ کی درمیانی راتیں تھیں چونکہ ایامِ حج ابھی دور تھے اس لئے عمرہ پر اکتفا کرنا پڑا اور زیارت نبوی ﷺ کے شوق میں مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

شیخ سنوسیؒ اور مولانا عبدالغفورؒ مہاجر مدنی سے ملاقات: مدینۃ النبی ﷺ میں مسجد نبویؐ کے باب اسلام میں داخل ہو رہا تھا کہ حضرت مولانا عبدالغفور (عباسی) سے ملاقات ہوئی۔ حضرت مولانا موصوفؒ اس زمانہ میں دہلی کی جامع مسجد سبیل میں امام تھے اور مدرسہ امینیہ میں درس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ انہوں نے مجھے پہچانا اور علمائے ہند سے بھی میرا تعارف کرایا جو وہیں مقیم تھے۔ لہٰذا آئے دن وہ لوگ ہمیں مدعو کرتے۔ ان دنوں ترکی کے شیخ المشائخ حضرت سنوسیؒ بھی مدینہ منورہ آئے تھے ان کے مریدوں کی تعداد لاکھوں سے بھی زیادہ تھی شیخ مرحوم نے جنگِ طرابلس میں حکومتِ ترکیہ کو تین لاکھ مرید جنگ کے لئے دیئے تھے۔ یہ باتیں مجھے حضرت مولانا عبدالغفور صاحب نے بتائیں۔ نیز یہ بھی بتایا کہ حضرت شیخ ایک محدث عالم بھی ہیں اور بہت نزدیکی واسطوں سے سلسلہ سند حضور اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ ان سے ملاقات کا شوق

دل میں موجزن ہوا کہ تذکرۂ علمی ہو ان کی صحبت میں بیٹھ کر عربی میں گفتگو ہو۔ ملاقات کے دوران ان کی علمی قابلیت سے کافی متاثر ہوا اور ان سے صحاح ستہ کی تدریس کی اجازت کی سند کے لئے عرض کیا۔ انہوں نے اپنے دستِ مبارک سے دو اسناد لکھیں جن پر اپنی مہر خاص لگوائی ایک مجھے دے دی اور ایک مولانا عبدالغفور صاحب کو۔ دس بارہ دنوں کے بعد مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا۔ مکہ معظمہ میں حضرت مولانا عبدالسلام تنولی (ہزارہ) سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اگر مکہ معظمہ میں تدریس کی خواہش ہے تو انہیں آگاہ کروں۔ تو وہ اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے ہیں۔ لیکن میں نے معذرت کا اظہار کیا اور وطن واپس آیا۔

شیخ سید عبدالرزاق سے خلافت: میرے ایک مرید نے حضرت سید عبدالرزاق کو میرے حالات سے آگاہ کیا تو انہوں نے مجھے ایک تحریری حکم نامہ ارسال فرمایا جس میں انہوں نے مجھے سلسلہ ء قادریہ میں خلیفہ ء مقرر فرمایا تھا اور مجھے اجازت دی تھی کہ میں لوگوں سے بیعت کرلوں۔ کچھ عرصہ بعد حضرت عبد الرزاق صاحب مزار پیربابا تشریف لائے اور پھر مریدوں کے بے حد اصرار پر پورن بھی تشریف لائے۔ میں بھی حضرت سے ملاقات کے لئے پورن آیا اور پھر حضرت سے درخواست کی کہ مارتونگ کو بھی اپنے قدموں سے مشرف فرمائیں۔ میری درخواست پر وہ مارتونگ آئے میں نے طلباء کو چھٹی دے دی ان دنوں میں نے ترمذی ختم کی تھی اور شمائل ترمذی شریف کو ابھی شروع کیا تھا۔ حضرت صاحب کو میں نے اسباق کے متعلق بتایا تو انہوں نے حکم دیا کہ شمائل ترمذی شریف ان کے سامنے طلباء کو پڑھاؤں اور باقی اسباق کی چھٹی کردوں۔ طلباء جمع

ہوئے اور درمیان میں حضرت جلوہ نشین ہوئے۔ ان کی کرامت کا اثر تھا کہ طلباء پر توجہ سے نہایت اثر ہوا اور اس کے دوران تمام طلبہ پر گریہ طاری ہوا۔ بے قراری اور اضطراری کیفیت قابل دید تھی۔ کبھی وہ رونے لگتے اور کبھی قہقہے لگاتے۔ تمام طلبہ اور میں خود حضرت کی جلالی کیفیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ درس کے اختتام پر طلبہ نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ نے توجہ مولوی صاحب کی طرف کیوں نہیں کی تو ارشاد ہوا کہ اگر میں انہی بھی توجہ دیتا تو پھر وہ بھی درس دینے کے قابل نہیں رہتے۔ اگلی رات حضرت تیراہ صاحب نے مجھے اسباق چشتیہ دیئے اور نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ کے اسباق بھی سمجھائے اور بعد میں کافی ہدایات اور نصیحتوں اور محبت سے مجھے ان دو سلسلوں میں بھی اپنا خلیفہ مقرر فرمایا حضرت کی واپسی کے بعد میں نے بیعت اور تدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور مجموعی طور پر پچیس سال تک مارتونگ اور دارالعلوم الاسلامیہ سیدو شریف میں تدریس کے فرائض انجام دیتا رہا۔ ایک سال دارالعلوم مظہر العلوم منگورہ میں افتتاح کے بعد درس دیتا رہا جس کے بانی حاجی خونہ گل صاحب ہیں۔

مارتونگ میں تدریس کا نظام الاوقات: مارتونگ میں تدریس کے پہلے بیس سالوں میں نصاب اور طریقہ تعلیم یہ تھا کہ شروع میں طلبہ کو منطق اور فقہ کی ابتدائی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ فنون ختم کرنے کے بعد ہدایہ کی دونوں جلدیں شروع کی جاتی تھیں۔ نیز اس دوران نماز فجر کے بعد تدریس میں مشکوٰۃ شریف بھی پڑھایا جاتا تھا اور مشکوٰۃ شریف ختم کرنے کے بعد جلالین شریف تمام طلبہ کو پڑھایا جاتا تھا۔

خواب میں زیارت رسول ﷺ : مارتونگ میں تدریس کے دوران متعدد بار خواب زیارت رسول ﷺ سے مشرف ہوا ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں ایک گاڑی میں سوار ہوں اور میرے ساتھ چند اور علماء بھی ہیں جب ہماری گاڑی ایک جگہ پہنچی تو آواز آئی کہ حضرت رسول اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں۔ ملاقاتیوں کو اجازت ہے۔ مجھے سخت تعجب ہے کہ ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے نہیں اترا میں گاڑی سے اترا اور اس طرف چل پڑا جہاں سے آواز آئی تھی۔ سامنے دیکھا جہاں ایک میدان میں مخلوقات کا مجمع ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ اتنے میں نظر آیا کہ رسول اللہ ﷺ مجلس میں داخل ہوئے اور سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ فرمایا۔ میں نے حضور اقدس ﷺ کے جسم مبارک کو دیکھا تو ایک نوجوان نظر آئے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے اوروں سے بھی اسی طرح مصافحہ فرمایا۔ مصافحہ کا انداز ایسا تھا کہ ہر آدمی آتا اور رسول اللہ ﷺ سے مصافحہ کرنے کے بعد واپس چلا جاتا میں نے ان سے دوبارہ مصافحہ کیا، جب زائرین مصافحہ سے فارغ ہوئے تو رسول کریم ﷺ ایک راستہ پر روانہ ہوئے میں بھی آپکے پیچھے چل پڑا اور تیسری بار مصافحہ کیا مگر مصافحوں سے مجھے تشفی نہ ہوئی۔ چنانچہ میں پھر حضور ﷺ کے ساتھ چل پڑا جب ان کے قریب پہنچا تو حضرت مجسم نور ﷺ نے مجھ ناچیز سے معانقہ فرمایا۔ میں نے جب دوبارہ غور سے دیکھا تو حضور ﷺ کی عمر مجھے سن کہولت میں محسوس ہوئی جبکہ پہلی ملاقات میں نوجوان محسوس ہوئے تھے۔ کافی فرق معلوم ہوا گویا اب پچاس برس سے زیادہ کے محسوس ہو رہے تھے۔ اس خواب کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میرے ذہن میں گندگی، آلودگی باقی نہیں رہی تھی

اور ذہن میں صفائی پا رہا تھا۔ یہاں تک اسباق پڑھانے کے دوران بلا کلفتہ و مشقتہ عجیب عجیب لطائف عیاں ہوئے اور اس کے ساتھ میں نے جب تبلیغ کا کام شروع کیا تو ایک رات خواب میں دیکھا کہ رسول کریم ﷺ ہمارے گاؤں کے قریب ایک پہاڑی کے پاس جلوہ افروز ہیں اور ان کے گرد بے شمار لوگ ہیں۔ میں بھی ان لوگوں میں ہوں لیکن ان سے آگے رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو زانو ہوں۔ خواب دیکھے اگرچہ زمانہ ہو چکا ہے لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد میں کچھ فرمایا تھا۔ اس رات کے بعد میرے جذبۂ تبلیغ میں شدت آگئی۔ لیکن ساتھ ساتھ میں تدریس بھی کرتا رہا۔ اس زمانے میں جب میں نے حسب معمول درس مشکوٰۃ شریف شروع کیا تو شیر افضل خان نامی ایک حکیم جو چکیسر سے آیا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف کے متعلق مارتونگ کے طلباء سے بحث و تمحیص کیا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف کے اسرار و رموز سے واقفیت نے شوق تجسس کو ابھارا اور ایک دن فیصلہ کیا کہ درس مشکوٰۃ میں ضرور شرکت کریں گے۔ چنانچہ اس ارادے کی تکمیل کی خاطر وہ ہماری مسجد میں آ پہنچے لیکن جب طلبہ کی زبانی ان کو معلوم ہوا کہ درس مشکوٰۃ ختم ہو گیا ہے۔ تو اسے بے حد مایوسی ہوئی لیکن شوق اور لگن نے اسے بے قرار رکھا اور وہ روزانہ نماز عصر کے بعد چکیسر سے مارتونگ آجاتے اور مجلس میں بیٹھ کر دینی اور علمی مسائل سنتے۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں انہیں صحاح ستہ مہیا کردوں لیکن میرے پاس چونکہ طلباء دورۂ حدیث کو پڑھانے کے لئے صرف یہی کتب تھیں۔ اس لئے میں نے معذرت کی اسی دن سے وہ صاحب حیثیت و مروت افراد کے پیچھے لگ گئے اور انہیں مدرسہ کے لئے کتب خریدنے پر آمادہ کیا ان لوگوں نے حسب توفیق چندہ

کر کے تقریباً ۲۰۰ روپے جمع کئے اس واقعہ سے چند دن قبل میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک جگہ بیٹھا ہوں۔ اچانک اسی اثناء میں حضرت عائشہؓ ام المؤمنین کہیں سے نمودار ہوئیں اور میری جانب بڑھنے لگیں۔ میں تعظیماً کھڑا ہو گیا اور انہیں بیٹھنے کی درخواست کی۔ وہ میری جگہ آکر بیٹھ گئیں۔ جب وہ چارپائی پر بیٹھ گئیں تو میری نگاہیں پہلی بار ان کے چہرہ مبارک پر پڑھیں انہوں نے بھی میرا جائزہ لیا لیکن مجھے دوبارہ دیکھنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ پہلی بار جب میں نے انہیں دیکھا تو ان کے چہرے میں نورانیت جھلک رہی تھی۔ شیشہ کی طرح شفاف انہی دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ کوئی شیشے میں اپنا عکس دیکھ رہا ہوں۔ جب میں جاگ اٹھا تو دورہ حدیث کی تدریس کے شوق نے عشق کی کیفیت اختیار کی تھی میں نے فیصلہ کیا کہ پشاور جاکر ان روپوں سے صحاح ستہ کی کتابیں خریدوں۔ لیکن پہلے مولانا قطب الدین غورغشتی سے دورہ حدیث پڑھانے کی اجازت لوں۔

مولانا قطب الدین غورغشتی سے اجازت حدیث : اجازت کے ارادے سے میں نے حضرت کی خدمت میں حاضری دی اس وقت مولانا طلبہ کو موطا پڑھا رہے تھے۔ میں نے ان سے اجازت حدیث مانگی انہوں نے مجھے موطا کی اجازت دے دی اور پڑھنے کا حکم دیا۔ میں نے جب پہلا صفحہ پڑھا تو انہوں نے مسکرا کر کتاب بند کر دی اور فرمایا جاؤ میری طرف سے آپ جیسے آدمیوں کو صحاح ستہ پڑھانے کی اجازت ہے۔ کیونکہ یہ ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

حضرت قطب الدین اور میرے استاد الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب دونوں ہم درس رہ چکے تھے اور دونوں حضرات نے دورہ حدیث حضرت رشید احمد گنگوہی سے پڑھا تھا۔ حضرت مولانا قطب الدین سے اجازت حدیث لینے کے بعد

میں نے باقاعدہ صحاح ستہ پڑھانا شروع کیا۔ کتابیں خریدیں اور اس کے ساتھ دیگر علمی کتابیں بھی پڑھاتا رہا اور ایک مخلوط طریقہ سے میں نے تقریباً ۲۹ سال تک درس دیا۔

ایک رات میں نے خواب میں انتقالِ سرور کائنات ﷺ کو دیکھا۔ ان کی چارپائی کے قریب ایک پستول پڑا تھا۔ میں نے وہ اٹھایا اور سینے سے باندھ لیا لیکن اس کی پٹی بہت لمبی تھی اور سینے سے نیچے تک لٹک رہی تھی۔ جب میں جاگا تو تعبیر پر حیران ہوا لیکن جلد ہی حقیقت واضح ہوئی کیونکہ دوسری رات جب میں نے خواب دیکھا کہ حضرت اخوند صاحب سوات مارتونگ تشریف لائے ہیں۔ وہ اس جگہ جہاں ایک مزار ہے خیمہ زن ہے اور وہی سے احکامات صادر فرما رہے تھے۔ ایک شخص مجھے ایک لفافہ دے کر واپس چلا گیا جب میں نے لفافہ کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ میری طرف سے تم حاکم ہو۔

دار العلوم سیدو میں : چند روز کے بعد تقسیم ہند سے قبل بادشاہ صاحب اور والی سوات صاحب نے یہ ارادہ کیا کہ سیدو شریف میں ایک دار العلوم کھولیں اس وقت کے ولی عہد نے مجھے بذریعہ ٹیلی فون اطلاع دی کہ وہ ایک دار العلوم کھول رہے ہیں اور میں بحیثیت صدر مدرس وہاں پہنچ جاؤں اور ایک عالم بھی بطور قاصد کے بھیج دیا چونکہ میں علیل تھا اس لئے معذرت کا اظہار کر دیا اور انہی جواباً کہا کہ اگر زندگی رہی اور صحت اچھی رہی تو حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ دار العلوم کے قیام اور افتتاح ذیقعدہ ۱۹۴۵ء میں ہوا اسی دوران مجھے بار بار دعوت دی گئی لیکن چونکہ میں علیل تھا اس لئے وہاں نہ پہنچ سکا۔ چند مہینوں کی علالت کے بعد جب صحت قدرے اچھی ہوئی تو میں ربیع الاول کے مہینے میں سوات چلا گیا اور ۲۰ ربیع

الاول کو دارالعلوم میں درس شروع کیا۔ اس سال چونکہ تعلیمی سال میں چند ماہ رہ گئے تھے اس لئے دورہ حدیث کا انتظام نہ ہو سکا اور آئندہ سال کے لئے یہ ارادہ پکا کر لیا اور اسی طرح آئندہ سال دورۂ حدیث کے ساتھ فنون وغیرہ کے درس بھی باقاعدہ شروع ہو گئے ان دنوں مہمانوں اور متعلقین کے آنے جانے کی وجہ سے مجھے مالی دشواریوں کا بہت سامنا کرنا پڑا۔

میاں گل عبدالودود بادشاہ کے ساتھ قیام: ایک دن بادشاہ صاحب نے مجھے طلب فرمایا اور کہا کہ چونکہ میرے مہمان زیادہ آتے ہیں اور ان کی خاطر تواضع وہاں کی شایان شان ناممکن ہے اس لئے میں ان کے ساتھ ان کے ذاتی محل جس کا نام عقبہ تھا رہوں۔ چنانچہ میں وہاں منتقل ہوا اور میری دشواریاں اور پریشانیاں ختم ہو گئیں۔ کیونکہ چائے صبح کے وقت نوکر لاتا اور کھانا بادشاہ صاحب کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ کر کھاتا، نیز عقبہ سے دارالعلوم تک انے جانے سے ورزش بھی ہو جاتی اس لئے بفضلِ خدا صحت بالکل ٹھیک ہو گئی۔ عقبہ میں بادشاہ صاحب کے ساتھ میں نے تقریباً پندرہ سال گذارے اسی دوران میں ہر جمعرات کو بادشاہ صاحب کی اجازت سے مسجد ڈبہ منگورہ جاتا وہاں میرے فرزند رشید احمد اور چچازاد بھائی مولوی امان اللہ مقیم تھے۔ پندرہ سال بعد دارالعلوم منگورہ کے قریب ایک نئی عمارت میں منتقل ہو گئی۔ چونکہ اب روزانہ عقبہ سے اس نئی جگہ آنا دشوار تھا اس لئے میں نے بادشاہ صاحب سے منگورہ میں قیام کی اجازت لی، مولانا رشید احمد اور مولوی امان اللہ فراغت کے بعد مارتونگ چلے گئے اور وہیں تشنگانِ علم دین کی پیاس بجھاتے رہے۔

طلبہ کی حالت میں فرق: میں نے بیس سال جن طلباء کو پڑھایا ان میں ہر وطن اور ہر قوم کے لوگ تھے ان میں طلب دین کا جذبہ تھا، خلوص تھا اور وہ لوگ نہایت خلوص سے دین الٰہی سے معرفت کی خاطر صعوبتیں برداشت کر کے آتے تھے۔ لیکن آئندہ چھ سال تک میں نے جن طلباء کو پڑھایا ان میں اکثر سند حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ انہیں نہ دین سے غرض تھی نہ علم و عمل کا شوق بعض مدرسی اور عہدوں کے طلب میں مگن تھے۔

حالانکہ ہمارے دارالعلوم سے ایسے طلباء بھی فارغ ہوئے ہیں جنہیں سرکاری عہدوں کی پیشکش کی گئی تھی اور وہ دارالعلوم اسلامیہ اور دارالعلوم چارباغ میں مدرسی کے اہم فرائض پر مامور کئے گئے تھے۔ میں نے کئی بار استعفیٰ دینے کی کوشش کی لیکن ہر بار بادشاہ صاحب نے مجھے اس ارادہ سے باز رکھا اور مجھے نہایت ادب سے تدریس کے لئے روکے رکھا اور کہتے کہ تم اگر والی صاحب کو استعفیٰ کے لئے یعنی منظوری کے لئے مجبور بھی کر دو تو وہ صرف مجبوری ہو گی اور جس وقت وہ آپ کا استعفیٰ خوشی سے منظور کریں تو وہ ناراض بھی نہیں ہوں گے۔ اور آپ کو مراعات سے بھی نواز دیں گے۔

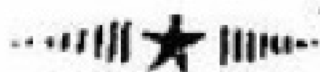
مسجد تورہ قل پشاور میں تدریس: دارالعلوم سیدو شریف کی تدریس سے کچھ عرصہ قبل کا واقعہ ہے کہ چونکہ میرے چچا نے شادی نہیں کی تھی۔ بالآخر ہم سب نے انہیں مجبور کیا کہ کچھ نشانی رہ جائے تو ہم نے ان کے لئے رشتے کا انتخاب کیا اور مہر وغیرہ میں نے اپنے ذمہ لیا جس کی وجہ سے مقروض ہونا پڑا۔ اس وقت میرے ساتھ بعض فقہی طلباء زیر تعلیم تھے۔ جن میں ایک مولوی محمد

سلیم بدخشانی تھے جو انتہائی درجہ کے ذکی اور ذہین تھے۔ فنون میزانی اور فنون حکمیہ ایک مرتبہ پڑھ چکے تھے۔ لیکن دوبارہ مجھ سے حکمت وفلسفہ کی اونچی کتابیں پڑھنا چاہتے تھے وہ اس امر کے باعث ہوئے کہ میں دار العلوم تورہ قل بائی پشاور میں مدرسی اختیار کروں۔ تاکہ فرض بھی ادا ہو سکے اور ہماری پڑھائی میں بھی حرج نہ ہو بلکہ پشاور میں تعلیمی افادہ اور بھی بڑھ جائے گا۔ تو میں نے یہ بات مان لی اور انہوں نے تورہ قل بائی کو منظوری کی اطلاع دے دی میں اپنے طالب علموں کے ساتھ پشاور گیا اور تدریس شروع کی۔ دو تین ماہ ہی گذرے تھے کہ طلبہ کثرت سے اکٹھے ہوئے ایک سو چالیس تک تعداد پہنچی اور کچھ طلبہ ہندوستان سے بھی آئے۔ طلبہ کی بڑی جماعتیں ترتیب دے کر میں پڑھاتا رہا اور پندرہ شعبان کو گھر آیا۔ حاجی صاحب تورہ قل مرحوم نے کئی بار خطوط لکھے کہ آپ پھر تشریف لائیں اور تنخواہ حسب منشا ہوگی لیکن میری مجبوری قرض کی ادائیگی ہو چکی تھی۔ اس لئے وہاں دوبارہ جانے سے معذرت کی۔



تلامذہ | تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، چند مشہور افراد جو معلوم ہو چکے ان کے نام یہ ہیں :-----

۱۔ استاد الکل مولانا عبدالشکور معروف کندیا مولوی صاحب۔ ۲۔ مولانا عبدالغفار صاحب کوہستان۔ ۳۔ مو ہجوم مولوی کوہستانی۔ ۴۔ مولانا محمد ہاشم صاحب پنج شیر افغانستان۔ ۵۔ مولانا طالب محمد بدخشانی۔ ۶۔ مولانا محمد شریف کابلی۔ ۷۔ مولانا محمد سلیم بدخشانی۔ ۸۔ مولانا محمد شریف.... کاما مولوی صاحب۔ ۹۔ مولوی شمدڑہ صاحب۔ ۱۰۔ مولانا عبدالسلام چیغرزوی۔ ۱۱۔ مولانا رحیم اللہ صاحب دار العلوم سوات۔ ۱۲۔ مولانا زرداد صاحب دار العلوم سوات۔ ۱۳۔ مولانا فضل مولیٰ صاحب مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ ۱۴۔ مولانا عبدالرحمان صاحب شیخ الحدیث تعلیم القرآن راولپنڈی۔ ۱۵۔ مولانا عبدالمنان صاحب مینئی مدرس تعلیم القرآن راولپنڈی۔ ۱۶۔ مولانا نقیب احمد صاحب دیروی۔ ۱۷۔ مولانا عبدالحلیم کوہستانی سابق مدرس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ ۱۸۔ مولانا مغفور اللہ صاحب چیغرزوی۔



اصل مضمون میں تلامذہ کا ذکر بھی تھا - قارئین کی دلچسپی کیلئے اسے بھی یہاں شامل کر دیا ہے (شوکت علی)

حوالہ جات

مارتونگ باباجیؒ کے حالات درج ذیل رسالے سے لئے گئے ہیں:

مضمون: ایک بقیۃ السلف عالمِ دین (کہانی اپنی زبانی)

راوی: علامہ مولانا مارتونگ صاحب مدظلہ

روایت: مولانا فضل مولا صاحب سابق مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

پشتو سے اردو ترجمہ: ادارہ "الحق"

☆ ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک (دارالعلوم حقانیہ)

شمارہ نمبر ۲، ۳..... جلد نمبر ۸، شوال المکرم / ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

(نومبر، دسمبر ۱۹۷۲ء)

☆ ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک

ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ

☆ ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک

محرم ۱۳۹۳ھ

میں اس استفادہ کے لئے ادارہ "الحق" اکوڑہ خٹک کے منتظمین کا دِلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ نیز مولانا فضل مولا صاحب مہتمم اسلامی دارالعلوم دل بوڑیؔ، مانسہرہ کا خصوصی طور پر ممنون ہوں۔

فضل محمود روخانؔ

